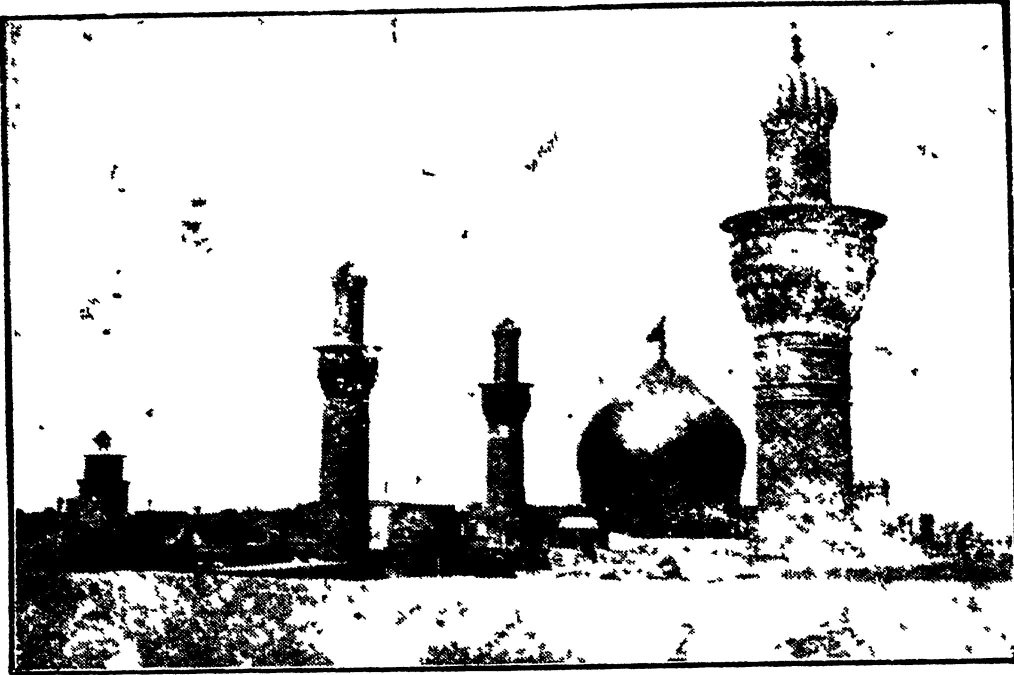
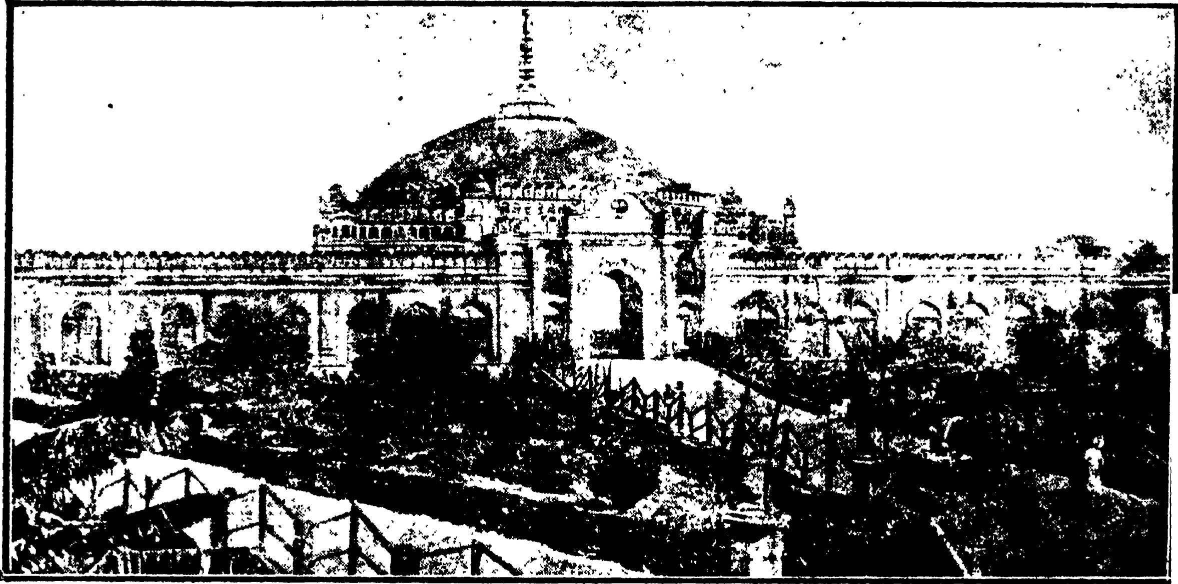


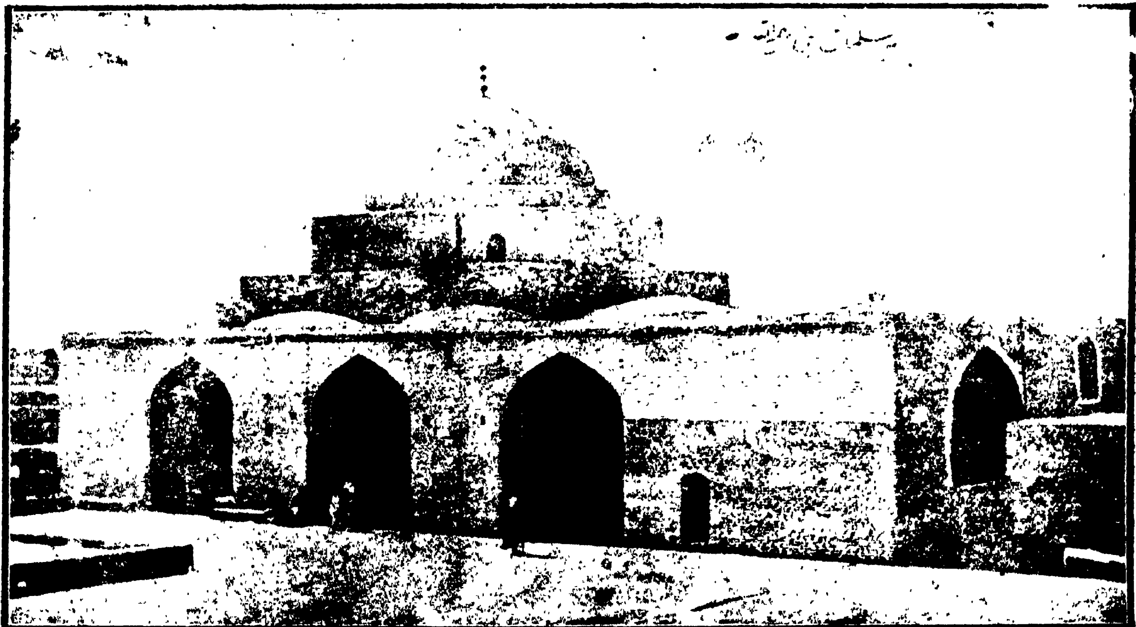
رفتہ رفتہ حسین کی آواز ❁ ساری دنیا پہ چھاتی جاتی ہے



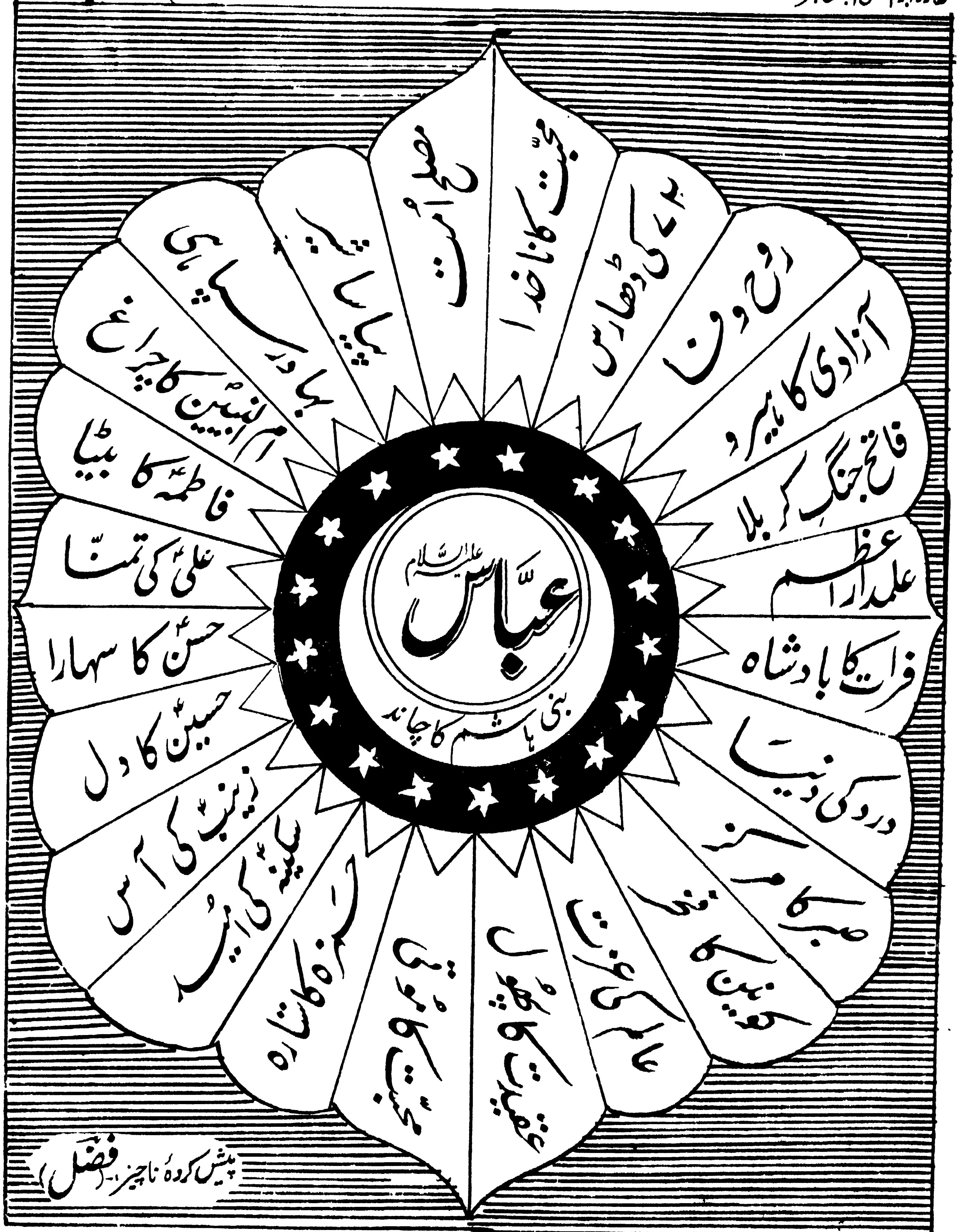
حضرت ابوالفضل العباس کی آرام گاہ
(کربلائے معلیٰ)



شاہ نجف لکھنؤ



روضۂ حضرت سلمان فارسی (مدائن)


عباس علیہ السلام
بنی ہاشم کا چاند
آزادی کا ہیرو
فاتح جنگ کربلا
علمدار اعظم
فرات کا بادشاہ
درد کی دنیا
حسینؑ کا دل
حسنؑ کا سہارا
علیؑ کی تمنا
فاطمہؑ کا بیٹا
ام البنینؑ کا چراغ
زینبؑ کی آس
سکینہؑ کی امید
حمزہؑ کا ستارہ
پیش کردہ ناچیز:- (فضل)

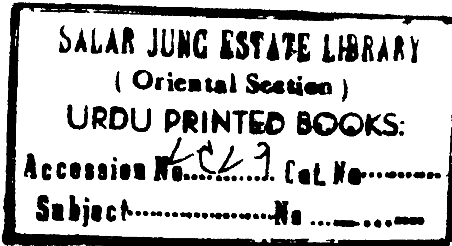
فہرست مضامین

سید ظفر عباس فضل ایڈیٹر و پبلشر پرنٹر نے سرفراز قومی پریس میں چھپواکر دفتر نظارہ جھوکوڑیہ سٹریٹ لکھنؤ سے شائع کیا

ہفتہ وار مجلس

۲۷ پیاسے





۷۷۹

حضرت مسلم علیہ السلام

(بسلسلۂ گذشتہ)

(حسینی شاعر نضل کے قلم سے)

کربلا کے خونی واقعہ کی پہلی منزل، شہادت حضرت مسلم ہے۔

اس میں شبہ نہیں کہ دنیا قیامت تک حضرت مسلم پر عقیدت و محبت کے موتی نچھاور کرتی رہے گی۔

مسلم کو بہت سی قربانیاں ساتھ ساتھ پیش کرنا پڑیں، اور شاید اتنی قربانیاں کسی شہید کے حصے میں نہیں آئیں۔

حضرت عقیل، امیرالمومنین کے حقیقی بھائی تھے اور یہ مقولہ اتنک مشہور ہے کہ عقیل کو انساب عرب کی واقفیت سب سے زیادہ حاصل تھی۔ جس طرح اپنے بھائی کا عقد جناب فاطمہ ام البنینؑ جیسی عظیم المرتبت معظمہ سے کرنے کا مشورہ دیا، اسی طرح خود اپنے لئے بھی جناب علیہ جیسی محترمہ کی تلاش فرمائی ممکن ہے جس طرح حضرت علی نے جناب عباس کو نصرت امام حسین کے لئے ذخیرہ فرمایا تھا، اسی طرح حضرت عقیل نے بھی حضرت مسلم کی والدہ محترمہ سے بھی اسی خیال کو پیش نظر رکھتے ہوئے عقد کیا ہو ——

جس طرح علی کے گھر میں عباس جیسا چاند طلوع ہوا، اسی طرح عقیل کی نگاہوں میں حضرت مسلم جیسا چاند جگمگایا۔

شیر کا بچہ ہمیشہ شیر ہوتا ہے مسلم رسول اور علی کے بھتیجے، تھے انکی چمکتی ہوئی پیشانی ان کی بڑی اور خوبصورت آنکھیں ان کا حسین چہرہ ان کا بلند و بالا قد، ان کا عزم، ان کا استقلال انکی عبادت، انکی شجاعت یہ سب کچھ بتا رہی تھیں کہ آغوش امامت میں پلنے والا بچہ کسی نہ کسی دن قصر اسلام کی بنیادوں کو مضبوط کرکے رہے گا۔

ایک مرتبہ معاویہ سے حضرت مسلم نے جاکر فرمایا کہ میری وہ زمین جس کے تم ایک ہزار درہم دے رہے تھے دیدو اور اس پر قبضہ کرلو۔ معاویہ نے روپئے دیدئے لیکن جب سرکار سیدالشہداء کو خبر ہوئی تو حضرت نے ایک خط معاویہ کو لکھا جس کا خلاصہ یہ تھا۔

"تم نے بنی ہاشم کے ایک بچے یعنی مسلم کو دھوکا دیکر زمین خرید لی لہٰذا روپیہ واپس لیکر فوراً زمین چھوڑ دو"

لیکن معاویہ نے جب امام کا خط حضرت مسلم کو دیا کہ اس کو پڑھو اور ہمارا روپیہ پھیر دو۔ تو جناب مسلم نے جواب میں تلوار کے قبضہ پر ہاتھ رکھا۔ یہ دیکھ کر معاویہ زور سے ہنسے، جب حضرت مسلم نے ہنسی کی وجہ دریافت فرمائی تو کہا۔ خدا کی قسم مسلم تمھارے والد نے جبکہ تمھاری والدہ سے عقد کا خیال رکھتے تھے (تمھاری شجاعت کے سلسلہ میں) یہی کہا تھا۔

سرکار سیدالشہدا کے حکم و ارشاد سے معاویہ نے زمین سے اپنا قبضہ اٹھالیا اور قیمت بھی حضرت مسلم کو معاف کردی۔

یہ واقعہ اگرچہ حضرت مسلم کے بچپن کا ہے، لیکن جوہر شجاعت نمایاں کرنے کو کافی ہے۔

حضرت مسلم نے ایمانی ماحول میں پرورش پائی۔ اور امام حسین کی

محبت روز بروز پر نور قلب میں بڑھتی رہی ، یہاں تک کہ حضرت مسلم کے امتحان کا زمانہ آگیا - عبادت ہو یا سخاوت، شجاعت ہو یا ایثار نفس یہ تمام امور تو بنی ہاشم کے خصوصیات میں سے ہیں۔ حضرت مسلم کی علمی قابلیت کا سب سے بڑا ثبوت صرف یہی ہے کہ امام حسین نے اپنا نائب بنا کر کوفہ بھیجا اور وہاں عرصہ تک حضرت مسلم فرائض نیابت امام ادا کرتے رہے۔ کوفہ کی فضاؤں میں کفر و نفاق کا تکدر بڑھ رہا تھا اور کوفہ سے امام حسین کو بلانے کے خطوط برابر آرہے تھے - اور آخر مجبور ہو کر امام نے اپنے بھائی حضرت مسلم کو اپنی نیابت دیکر بھیجنے کا مصمم ارادہ کر لیا - اور روانہ کرنے سے قبل امام نے حضرت مسلم کو یہ ہدایتیں فرمائیں :—

دیکھو مسلم تقویٰ کرنا لوگوں سے بہ محبت اور بہ تلطف پیش آنا، اور میری اطاعت پر کوفہ والوں کو متفق پا نا تو مجھے جلد ہی خبر دینا اسکے بعد اہل کوفہ کو انکے جواب میں یہ خط تحریر فرمایا :—

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بعد حمد و صلوٰۃ و سلام واضح ہو کہ میں اپنے چچا زاد بھائی مسلم کو جو میرے معتمد علیہ ہیں تمھارے پاس بھیجتا ہوں" اور ان سے میں نے زبانی کہدیا ہے کہ وہاں پہونچکر تم لوگوں سے مل کر یہ دیکھیں کہ تم لوگ میری اطاعت پر تیار ہو تو اس وقت میں بھی آنے کا ارادہ کروں - یہ یقین جانو کہ امام وہی ہے جو قائم بحق ہو"—

امام کا یہ حکم اور ہدایت لیکر حضرت مسلم ماہ رمضان کی آخری تاریخوں میں کوفہ کی جانب روانہ ہوگئے۔ حضرت مسلم کے ہمراہ کچھ اشخاص اور بھی تھے جن میں سے دو افراد بہ اجرت راستہ بتانے کے لیے ساتھ ہوئے تھے - لیکن کچھ دور بڑھ کر یہ دونوں خود ہی راستہ بھول گئے اور پیاس کی شدت سے مر گئے - حضرت مسلم اپنے دیگر ہمراہیوں کے ساتھ ایک کوئیں پر پہونچے، اور پہلا خط یہیں سے امام کی خدمت میں تحریر کیا -

حضرت مسلم نے امام حسین کو لکھا کہ میں مدینہ سے دو راہ بر اپنے ہمراہ لیکر چلا تھا اتفاق سے وہ دونوں خود ہی راستہ بھول گئے - اور پیاس سے ہلاک ہوگئے - [illegible] ایک چشمہ تک پہنچ گیا - لیکن اس واقعہ کو فال بد [illegible]

۷۸۶

نظارہ

جلد ۱۶ | ۷؍ دسمبر ۶۴۵ | نمبر ۱

حضرت کا معجزہ

اب کی تو ابو الفضل العباس نمبر کی اشاعت کے سلسلہ میں جتنی کہ دشواریاں برداشت کرنا پڑیں ایسے اتفاقات تو کبھی نہیں ہوئے ، لکھنؤ سے بعض جدید اخبارات کے اجراء نے پرانے اخباروں کے لئے سخت مشکلیں پیدا کردیں ، کاتبوں کا قحط ، پریسوں کے ناز و نعم ، بلاک بنوانے میں دشواریاں اور بعض کارکنان کی مزید عنائتیں ، غرض وہ مصیبتیں کہ اللہ کی پناہ ، یہ چند روز اس طرح بسر ہوئے کہ تین بجے شب سے پہلے نیند نہ آئی مگر سچی بات تو یہ ہے کہ اگر کوئی شخص امام حسین کا خادم بن جائے تو اس کے لئے راہ کے کانٹے ہمیشہ پھول بنجاتے ہیں ، حضرت کی جانب سے انتظامات ہوئے ، کہ نظارہ کا یہ متبرک نمبر آپ کی خدمت میں بھیجا جا رہا ہے - آپ کا خلوص اور ہماری محنت کے ساتھ امام کی محبت کام آئی -

وہ مشکلیں کیا پیش آئیں ؟ اس کو پوچھئے

جن پہ تکیہ تھا وہی پتے ہوا دینے لگے -

خدا کرے یہ ناچیز ہدیہ حضرت ابو الفضل العباس علیہ السلام قبول فرمائیں ، تاکہ آپ کو بھی اجر ملے اور ہم کو بھی - اس نمبر کی دشواریوں میں —— شائع ہو جانا حضرت ابو الفضل العباس علیہ السلام کا معجزہ اور انھیں کے فیوض و برکات ہیں -

اسمائے معاونین

صرف ہماری کوشش تو کام نہیں آسکتی اگر آپ حضرات ہمت افزائی نہ فرمائیں، چنانچہ حسب ذیل حضرات کا ہم دلی شکریہ ادا کرتے ہیں۔ جنھوں نے اس نمبر کی گراں قدر عطیات سے مدد فرمائی، ان حضرات کے اسماء مبارک ذیل میں درج کئے جاتے ہیں۔

جناب سید یا علی صاحب حلقہ انسپکٹر۔ کان پور۔ جناب میر حمید علی رضا صاحب جاگیردار۔ حیدرآباد دکن، جناب سید احمد حسن صاحب رئیس کلا پور ضلع جونپور۔ جناب سید ثامن حسین صاحب نقوی، جناب فخر الاطباء حکیم سید محمد قاسم صاحب، جناب تاج العلماء مولانا سید محمد ذکی صاحب مجتہد، جناب خان بہادر سید مہدی حسن صاحب رضوی، جناب خان بہادر سید محمد ذکی صاحب علی گڈھ، جناب سید رضا صاحب رئیس کواتھ ضلع آرہ، جناب خان بہادر سید احمد علی صاحب پٹنہ سٹی، جناب سید یوسف حسن صاحب کندرکی۔

دیگر حضرات معاونین کے اسمائے مبارک آئندہ لصد شکریہ شایع کیے جائیں گے۔

انسانیت کا ناخدا

شاعر آل محمد جناب نسیم امروہوی قوم کے ممتاز اور بلند پایہ شعراء میں ہیں موصوف کی زندگی کے بیشتر لمحات خدمات قوم و مذہب میں بسر ہوتے ہیں۔ کیا کہنا ایسے شاعر کا جو اپنی قوم اور اپنے مذہب کا ہو جائے۔ اور نظارہ جناب موصوف کا بے انتہا شکرگزار ہے کہ آپ نے انسانیت کا ناخدا جیسی بے نظیر نظم خاص طور سے فرما کر نظارہ کو عطا فرمائی جو اس نمبر یا کسی دوسری جگہ شایع ہو رہی ہے، اس نظم کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ بین الاقوامی نقطۂ نظر کا خاص طور سے لحاظ رکھا گیا ہے :ا ور قابل مدح امر یہ ہے کہ عقائد و مسلمات کا سوال پیدا ہوئے بغیر مستحکم دلائل پیش کئے گئے ہیں اس میں شبہہ نہیں کہ بین الاقوامی تبلیغ، ہمارے لئے بے انتہا ضروری ہے لیکن ٹیہ ... کی اشاعت نے جیسے کہ بین الاقوامی کے نام سے بھی ڈرا دیا تھا ضرورت تھی کہ ایسے مضامین اور نظموں کی کافی اشاعت کی جائے جس سے ہمارا مقصد تبلیغ جو بین الاقوامی زاویہ نگاہ سے پورا ہو سکتا ہے ختم نہ ہونے پائے۔ ہم جناب نسیم کا دلی شکریہ ادا کرتے ہیں۔

جناب نسیم کی نظم کے علاوہ اور بھی کئی مضامین بین الاقوامی نقطۂ نظر کے ماتحت اسی نمبر میں شایع ہوئے ہیں وہ بھی نہایت قابل قدر ہیں۔

معاونین قلمی کا شکریہ

ہم ان حضرات کا بھی دلی شکریہ ادا کرتے ہیں جن کے گرانقدر مضامین اور نظموں سے یہ نمبر مرتب ہوا۔ خداوند عالم دین و دنیا میں اجر بحساب عطا فرمائے۔

اعلان تعطیل

اس نمبر کی اشاعت سے قبل کاغذ کی بچت کے سلسلہ میں ہم نے ۲۱ نومبر کا نظارہ بجائے ۱۰ صفحات کے ۶ صفحے پر نکالا۔ اور ۲۸ نومبر کو تعطیل کر دی۔ اب اس نمبر کے نکالنے کے بعد کاغذ کی بچت کے سلسلہ میں ۱۴ دسمبر کا نظارہ بھی شایع نہ ہوگا قارئین کرام انتظار نہ فرمائیں، کیونکہ ہم کو اپنے راشن اور کوئٹہ سے زیادہ کاغذ نہ مل سکتا ہے اور نہ ہم خرچ کر سکتے ہیں

"مینیجر"

سیرت سلمان و مقداد و ابوذر دیکھ لے

(از جناب خنداں لکھنوی)

درس حق شہ دیں سے ہے زیر خنجر دیکھ لے — عزم حیدر اور تعلیم پیمبر دیکھ لے
دیکھنا مقصود ہے گر تجھکو حیدر کا جلال — حضرت عباس سے میداں میں تیور دیکھ لے
تجھکو دنیا ہے اگر ترتیب دستور حیات — سیرت سلمان و مقداد و ابوذر دیکھ لے
حریت کا درس ہے حر جری کی زندگی — ذہنیت میں کسطرح [illegible] دیکھ لے
نوجواں بیٹے کی میت کو اٹھاتے ہیں حسین — صبر ابراہیم بھی آ کے یہ منظر دیکھ لے
حق سے ٹکر لیکے، باطل کا نتیجہ کیا ہوا — آج ہی شبیر سے [illegible] کا رہبر دیکھ لے
موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالدیں ہنس ہنس دیے — آئے دنیا عزم و استقلال اصغر دیکھ لے
مقصد تبلیغ حق پیغمبرانہ شان سے — شام کے بازار میں نیزے کے اوپر دیکھ لے
گریۂ خنداں مودت کا ہے طوفاں اے حریف — ہر سر شاب غم کے آئینے میں کوثر دیکھ لے

کربلا کروٹیں لینے لگی شبیرؑ کے ساتھ

انیسِ نوحہ "دعبلِ ہند" جناب ذاکر مرحوم کا ایک نوحہ

رن میں دو قلب تڑپنے لگے ایک تیر کے ساتھ
بازوئے شاہ چھدا گردنِ بے شیر کے ساتھ

قید ہونے پہ بھی زینبؑ سے جدائی نہ ہوئی
بھائی نیزے پہ رہا راہ میں ہمشیر کے ساتھ

تیز کیسی تھی چھری اہلِ جفا سے پوچھو
حلق لاکھوں کے کٹے گردنِ شبیرؑ کے ساتھ

دفن اصغرؑ ہوئے شہ جھاڑ کے دامن اُٹھے
ماں کی سب ختم مرادیں ہوئیں بے شیر کے ساتھ

راہ میں چلنے سے عابدؑ نے یہ ایذا پائی
آبلے پاؤں کے روتے رہے زنجیر کے ساتھ

شہ نے جلتی ہوئی ریتی پہ جو پہلو بدلے
کربلا کروٹیں لینے لگی شبیرؑ کے ساتھ

ذبح ہو کر علی اصغرؑ سے نہ پیکاں سنبھلا
جنبشِ گردنِ بے شیر رہی تیر کے ساتھ

دیکھ خط شاہ کو قاصد سے یہ بولیں صغرا
دل تڑپتا ہوا ایسا میری تحریر کے ساتھ

اس طرح دشت میں کٹنے لگا پیاسے کا گلا
ہاتھ رکتا ہوا چلنے لگا شمشیر کے ساتھ

اپنے بے شیر کو شبیرؑ بچائیں کیونکر
رن میں لپٹی ہوئی آتی ہے قضا تیر کے ساتھ

ہو سہارا نہ کوئی جس کا ڈرے وہ ذاکر
خلد میں جائیں گے ہم حضرت شبیرؑ کے ساتھ

کربلا کے پیاسوں کی بارگاہ میں عقیدت کے موتی

(حسینی شاعر "فضل" کے قلم سے)

اصحاب حسینی کی فتح

عرب کے جنگل میں حد نظر تک پھیلی ہوئی ریگ کے دامن سے لپٹا ہوا سنہری سورج یوں نظر آرہا تھا جیسے چاندی کی تھالی میں سونے کا ڈلا اور لانبے نیزوں کو گردشیں دیتے اونچے گھوڑوں پر امام کے صحابی تیزی سے بڑھتے جارہے تھے، انکے دلوں کو نہ زلزلے ہلا سکتے تھے، نہ آندھیوں سے قدموں پر اثر پڑ سکتا تھا۔ آخر ذوق نصرت حسینی نے امام حسینؑ تک پہونچا دیا اور یہی ان کی فتح ہے۔

اصحاب حسینی کا روشن کارنامہ

جب خون پسینے کی طرح اُبل رہا ہو، جب آفتاب کی گرمی اور گرم شعاعیں جسم میں چرکے لگا رہی ہوں، جب تین دن کی پیاس زبان کی خشکی معدے تک کھینچ لائی ہو اُس وقت اپنے ارادوں پر قائم رہ کر امام حسینؑ کا دامن نہ چھوڑنا اصحاب حسینی کا وہ روشن کارنامہ ہے جس کو تاریخ عالم قیامت تک نہیں بھول سکتی۔

حقیقت کے چراغ

ستارے صبح سے پہلے ڈوب جاتے ہیں، لیکن حقیقت کے چراغ کسی وقت نہیں بجھتے۔ آج بھی کربلا کے شہدا زندہ ہیں اور ان کی تعلیم اور برکات سے دنیا کو فیوض پہونچ رہے ہیں۔

ایمان کی شعاعیں

حبشی کا سیاہ سینہ ہو یا ہندوستانی کی دلفریب آنکھیں، عرب کا سرخ چہرا ہو یا ایران کے سنہری بال، خدا تو دل اور اسکی باریک رگوں میں دوڑتا ہوا وہ خون دیکھتا ہے جس میں ایمان کی شعاعیں جگمگا رہی ہوں، حضرت جون حبشی تھے مگر کربلا میں انکے عزم و ہمت و استقلال نے بنا دیا کہ وہ ایمان کے اس درجہ پر فائز ہیں جس کی بلندی تک ہر شخص کی نظر نہیں جا سکتی۔

اصحاب حسینی کی ایمانی آوازیں

ہم آپ کے دامن کو نہیں چھوڑ سکتے، ہم آپ کے سایۂ رحمت سے الگ نہیں ہو سکتے، آپ کو دشمنوں میں تنہا چھوڑ کر نہیں جا سکتے، تلواریں چلیں یا تیر برسیں، نیزوں سے جنگ کرنا پڑے یا پتھروں سے، ہزار زندگیاں آپ کے پائے مبارک پر تصدق — آپ نے پہچانا؟ — یہ اصحاب حسینی کی آوازیں ہیں جو عاشور کی شب کو کربلا کے بھیانک جنگل کی فضا میں تسبیحوں کی صداؤں کے ساتھ برابر سنائی دیتی رہیں۔

امام حسینؑ سورج بھی ہیں اور چاند بھی؟

امام حسینؑ ۔ وہ سورج ہیں جن کی ۷۲ شعاعوں نے قیامت تک کے لئے اسلام کا ہر دن روشن کر دیا۔ امام حسینؑ وہ چاند ہیں جو اپنے ۷۲ ستاروں سمیت ایمان کی راتوں میں چاندنی کی بارش کرتے رہتے ہیں۔

حرؑ کے روضہ کا کلس چمک رہا ہے

یزید کے تاج پر ٹھوکر لگائی ۔ دولت پر غربت کو، زندگی پر موت کو، ذلت پر عزت کو، باطل پر حق کو ترجیح دی، نوکری چھوڑی، جاگیر اور چھوڑی اور فوج باطل کی سرداری چھوڑ دی ــــ بازوؤں کی طاقت حق کی نصرت میں صرف کی۔ جسم کا خون امام حسینؑ کی محبت میں بہا یا۔ گردن کی رگ وحدت و نبوت و امامت کی طرفداری میں قطع ہوئی ــــ آپ نے پہچانا؟ ــــ یہ حضرت حرؑ ہیں جو عاشور کا سورج ڈھلنے سے پہلے ہی سید الشہداء کے قدموں میں آ گئے۔ اور دو دن کی دولت کو چھوڑ کر ہمیشہ کی عزت لے لی ــــ حق شناس ایسے ہی ہوتے ہیں، حرؑ کے روضہ کا کلس تیرہ سو برس سے چمک رہا ہے اور قیامت تک جگمگاتا رہے گا۔

واقعہ کربلا میں بین الاقوامی جاذبیت

دوپہر کے آفتاب کی دہکتی ہوئی کرنوں میں ــــ امام حسینؑ نے عبا کا دامن ہٹایا، چھ ماہ کے علیؑ اصغر تین دن کی پیاس میں مرجھائے ہوئے پھول کی طرح ہاتھوں پر کروٹیں بدل رہے تھے۔ فوج سے مخاطب ہو کر امام نے فرمایا :-

"اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ اس بچے کے بہانے سے میں پانی پی لوں گا تو آؤ ــــ اور اپنے ہاتھ سے دو بوند علی اصغرؑ کو پلا جاؤ۔ بہت سے رونے لگے، اور بہت سے کہنے لگے حسینؑ سچ کہتے ہیں ــــ فوج میں ہلچل پڑ گئی ۔ ابن سعد کو بغاوت کا خطرہ محسوس ہوا، اس نے حرملہ سے کہا ۔ اقطع کلام الحسینؑ، اس فقرے سے معلوم ہوتا ہے کہ امام حسینؑ کی تقریر ختم نہ ہونے پائی تھی کہ حرملہ نے تیر لگا دیا۔ یہی وہ دردناک اور عبرتناک واقعہ ہے جس نے کربلا کی جنگ میں بین الاقوامی جاذبیت پیدا کر دی، اور دنیا کا ہر انسان یہ سمجھنے پر مجبور ہو گیا کہ حسینؑ بر حق تھے اس لئے علی اصغر کی شہادت ہوئی۔"

شام غریباں

عاشور کا دن گزرنے کے بعد ٹھیک ساڑھے سات بجے شام کو لکھنؤ آل انڈیا ریڈیو شام غریباں کی مجلس نشر کر رہا ہے گذشتہ ریلے کر رہا ہے یہ لکھنؤ کی تاریخی اور عظیم الشان مجلس ہے جس میں سرکار عمدۃ العلماء مولانا سید کلب حسین صاحب مجتہد مدظلہ ذکر مصائب فرماتے ہیں۔ امید کہ یہ مجلس ہندوستان بھر میں مومنین سماعت فرمائیں گے۔ (ایڈیٹر)



اعلحضرت، بلندکانعالی، ہز ہائنیس نواب سید رضا علیخان صاحب بہادر دام اقبالہم و ملکہم
والئے دارالسرور رامپور- سرپرست اخبار نظارہ
جنکے کامیاب دور حکومت نے رامپور کو رامپور بنادیا -
اور جنکی ذرا سی توجہ نے شیعہ کالج کیلئے دس لاکھہ روپیہ جمع کر دیا
تم سلامت رہو ہزار برس ❀ ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار



جناب سید بشیر حسین صاحب بہادر زیدی بالقابہ
ریاست رامپور کے بیدار مغز وزیر اعظم



جناب مسٹر ناصر الدین صاحب مسعود بالقابہ
ریاست رامپور کے پبلسٹی آفیسر اور
ہر دلعزیز سکریٹری اسٹیٹ کونسل



جناب ڈاکٹر سید منظور مہدی صاحب منظور
مصنف مرثیہ شاہراہ بلاغت



جناب سید سخاوت حسین صاحب رضوی
منیجر یو۔پی یونین بنک لمیٹڈ لکھنؤ

پکارتا ہوں علیؑ کو مگر خدا کیلئے

شاعر اہلبیت جناب نجم آفندی مدظلہ کا تازہ ترین سلام

سبق حسینؑ کی محنت ہے لو خدا کیلئے
لہو بہا یا تھا کیا ارض کربلا کیلئے

علیؑ پرست کہو یا خدا پرست مجھے
پکارتا ہوں علیؑ کو مگر خدا کیلئے

شباب اور علیؑ کا شباب کیا کہنا
خدا نے چھانٹ لیا جس کو لافتا کیلئے

نظر میں انکی یہ لذات دنیوی کیا ہیں
وہ روزہ دار مزے جس نے ہل اتا کیلئے

کمی ستم کی کہیں بھر اہلبیتؑ نہ تھی
حسنؑ نے لطف مدینہ میں کربلا کیلئے

حسینؑ کو جو ملے حق سے باپ ماں بھائی
نہ مصطفا کیلئے تھے نہ مرتضا کیلئے

کسی کا سر بھی نہ پہونچا ہی عروج کمال
علیؑ کے پاؤں بھی تھے دوش مصطفا کیلئے

رہ عمل میں اُٹھائے جو مرتضا نے قدم
اصول بن گئے اللہ کی رضا کیلئے

جہاد نفس میں سجاد کو یہ فکر کہاں
بچھے ہیں راہ میں کانٹے برہنہ پا کیلئے

ملے نہ ہونگے علیؑ کو وہ ماں کی گود میں بھی
مزے جو نیند کے بستر پہ مصطفا کیلئے

جناب نجم یہ عزلت گزنیاں کب تک
یہ بے نیاز روش چھوڑیئے خدا کیلئے

تاجدار اقلیم وفا حضرت عباسؑ بن علیؑ

(تاج العلماء جناب مولانا سید محمد زکی صاحب مجتہد مدظلہ)

عمل انسانی کا صحیفہ پڑھتے پڑھتے متجسسین اخلاق کی محنتیں اپنے شباب پر پہونچیں، تار نظر نے مختلف اشکال کے نقشے قائم کئے، آئینی دیانت پر نثار ہونے والوں کی رفعت مکانی جانچی گئی اکثر مذاہب کی آغوش میں وارفتگان معرفت کے انمول نمونے ملے اور بلند پایہ اوصاف کی بہترین تصویریں سامنے آئیں لیکن وہ سرسبد ایثار و وفا کا شگفتہ پھول، مسلک صدق و صفا کا دریکتا جو اہل عقل و بصیرت نے منزل حسینی سے گزرتے ہوئے فرات کے کنارے دیکھا بلاشبہ سنین ماضی اس کی مثال سے خالی تھے اور مستقبل کی امیدیں اس کی نظیر سے منقطع تھیں یہ کون علیؑ کے فرزند شہید کربلا کے قوت بازو سقار اہلبیتؑ قمر بنی ہاشم ہیں۔

دنیا میں آتے ہی آغوش امامت میں جگہ پائی فضاء عصمت و طہارت میں طفلی کی منزلیں طے کیں، مصور فطرت نے ظاہری و باطنی رعنائی اور کمال وصفی کا ایسا آئینہ بنایا کہ آستانہ بوسان حسن و جمال کے لئے ہاشمی چاند اور اہل بصیرت کے لئے سپہر امامت کا آفتاب وفا کہلائے دور شباب میں جب قدم رکھا تو نبوی صورت اور حیدری جرأت و ہمت کے مالک بنے، ایسے قوی جسم، قوی دل اور قوی عزم کہ بڑے بڑے بہادروں کو صرف فرزند علیؑ کی صورت دیکھ کر موت کا پسینہ آ گئے۔

یہ کوکب درخشاں ابھی عروج کی منزلوں میں تھا کہ دفعتہً زمانہ کا نقشہ بدلا، فضا شرک و الحاد میں کفر و نفاق کے بادل اٹھے اور خرمن ایمان پر اغراض فرعونی کی بجلیاں کوندنے لگیں، بزم عیش و نشاط کی طرب انگیزی حد سے بڑھ گئی، شراب ناب کا دور چلنے لگا رقص و سرود سے لطف اندوزی اور خلاف فطرت امور کا ارتکاب برسر عام ہو گیا، خلیفۃ المسلمین کے بھیس میں شیطان کو فریب دہی کا موقع ملا، تعیش پسند طبائع کی نگاہوں میں اہل حق کا وجود کانٹے کی طرح کھٹکا، نجس طینت کا پردہ فاش ہونے لگا اور آخر شامی حکمران کا شیطانی نظریہ اس رنگ میں ظاہر ہوا۔ لعبت ہاشم بالملک فلا خبر جاء و لا وحی نزل۔

حامیان کفر مقتولین بدر و احد کے نام پر فرزند رسولؐ سے اعلان جہاد ہو گیا، انسانیت سوز تحریکات نشو و نما پانے لگے، فوجی کمربندی کے مدنظر مسلمانوں سے غصب کردہ دولتوں کے منہ کھل گئے، افسران فوج میں کسی کو عطاء زر و جواہر کی طمع دلائی گئی، کسی کو گورنری کا منصب ملا اور کسی بد نہاد سے حکومت رے کا وعدہ کیا گیا۔

ہفتم محرم تک کربلا حیوان صفت انسانوں سے لبریز ہو گیا، اعلاء کلمۂ حق کرنے والوں کے سفاکانہ قتل پر ان درندوں میں عہد و پیماں ہوئے، ابن سعد اور ظلم و جور میں اس کے معین کار کو فی و شامی آب خوشگوار سے لطف اندوز ہو رہے تھے، سگ و خوک کے لئے بھی نہر فرات پر آنے سے ممانعت نہ تھی لیکن پروردۂ شست رسولؐ اور اس کی چھوٹی سی جماعت کے لئے شط فرات پر پہرے بٹھا دیئے گئے، ننھے ننھے بچے ایک ایک قطرہ آب کو ترس رہے تھے۔

ہاشمی چاند کو گہن میں دیکھ کر جب حسینی سے مخمور عباسؑ بن علیؑ نے عہد نبوت کی یاد تازہ کر دی، ان کے غلاموں کی فہرست میں اپنا نام درج کرنا باعث عزت سمجھے الولد سر لابیہ مختصر مگر منتخب روزگار لشکر کی زمام سرداری دست حق پرست میں لی، لواء اسلام دوش پر رکھا اور حق کے سینہ سپر ہو کر دشمنوں کے سامنے بنیان مرصوص کی ایسی تصویر بن گئے جس کی ہیبت و جلالت سے فوج یزیدی میں اضطراب پیدا

ہو گیا، خوف نے دہشت سے جسموں میں سکت نہ تھی ہاتھوں سے نیزے گرے پڑتے تھے، تلواریں چھوٹی جاتی تھیں، موت مجسم ہو کر سامنے آ گئی تھی۔ شمر ذی الجوشن نے رشتۂ قرابت یاد دلایا سلطنت و حکومت کے سبز باغ دکھائے۔ مگر ابن علیؑ نے بصد تمکنت ظالم کے ناپاک عمل پر حقارت آمیز نظر ڈالی اور وہ شان استغنا دکھائی کہ مخالفین بھی ہاشمی استقلال کے معترف ہو گئے۔ ظالم سے صاف صاف فرما دیا کہ کفر و اسلام کی قرابت ہی کیا میرا رشتہ کیسا حسینؑ کا ساتھ چھوڑ دوں یہ کسی قیمت پر ممکن نہیں۔

سہ روزہ تشنگی میں دلبند حیدر صفوں پر صفیں الٹ فرات کے کنارے پہونچا بنت حسینؑ کا خشک مشکیزہ نہر میں ڈالا چلو میں پانی لیا لیکن بھائی کی پیاس یاد آتے ہی پانی سے منھ پھیر لیا وفاداری کی حد ہو گئی نہر میں پیاسے ہی اُترے اور پیاسے ہی نکل آئے غرض اپنے طرز عمل سے وہ نمونہ پیش کر گئے کہ جو ارباب ایثار و وفا کے لئے یادگار درس اور قیامت تک آنے والوں کے لئے ایسا راستہ ہے جس کی ہر منزل کمال انسانیت کی تعلیم دے رہی ہے۔"

اے فلک ماہ بنی ہاشم کی طلعت دیکھ تو

(از جناب اختر نوگانوی)

اے فلک ماہ بنی ہاشم کی طلعت دیکھ تو
نہر پر اس چاند کی نورانی صورت دیکھ تو

تین دن کی پیاس سے جو ماہی بے آب ہے
نہر پر جاتا ہے قبضہ کرنے ہمت دیکھ تو

وہ علم جو خیبر و خندق میں حیدرؑ کو ملا
ہاتھ میں عباسؑ کے آج اس کی عظمت دیکھ تو

بزدلوں نے نہر چھوڑی سب کنارے ہو گئے
شیر حق کے شیر کی معمولی ہیبت دیکھ تو

نہر پر عباسؑ یوں ہیں جیسے کوثر پر علیؑ
مثل حیدرؑ ہیں تو حیدرؑ کی شجاعت دیکھ تو

ساقی کوثر کا ہے دلبند سقائے حرم
نہر پر رہ کر ہے تشنہ صبر و ہمت دیکھ تو

بھر لیا مشکیزہ غازی نے چلا سوئے خیام
ساتھ چل کر اب سکینہؑ کی بھی قسمت دیکھ تو

حملہ آور ایک تشنہ پر ہوئے لاکھوں لعیں
یہ عداوت دیکھ تو اور یہ شقاوت دیکھ تو

ہاتھ شانوں سے کٹے فرق مطہر شق ہوا
پھر بھی مشکیزہ نہ چھوڑا یہ حفاظت دیکھ تو

گرتے ہی مرکب سے آقا کو پکارا آئیے
حسرت دل ہے کہ اب مولیٰ کی صورت دیکھ تو

جھک گئی شہ کی کمر آواز سُن کر اے فلک
بھائی کے کاندھے پہ اب بھائی کی میت دیکھ تو

جس جگہ ہے تعزیہ واں ہے علم عباسؑ کا
بعد مرنے کے بھی یہ شان رفاقت دیکھ تو

آستان حضرت عباسؑ تک پہونچوں اگر
پھر زمانہ سے کہوں اختر کی قسمت دیکھ تو

"نقشِ وفا"

(از جناب مولانا سید محمد صاحب گرامی مدظلہ)

جیتے ہیں مر کے کیسے مشکل تھا یہ بتانا
رہتا نہ کربلا کا عالم میں گر فسانا

پنجہ چمک چمک کر کہتا ہے یہ علم کا
آساں سمجھ لیا تھا نورِ خدا بجھانا

عباسؑ کے علم کو کیونکر نہ ہم سنبھالیں
فطرت میں ہے ہماری نقشِ وفا بنانا

ذکرِ وفا تو پایا اہلِ وفا نہ دیکھے
اک دوپہر میں ایسا خالی ہوا زمانا

گردوں سے خون برسا گیتی نے خون اُگلا
دامن میں اب شفق کی محفوظ ہے خزانا

ہر دوش پر نشاں ہے ہر ہاتھ میں علم ہے
ظلم یزید دیکھے ملتا ہے یوں زمانا

تائیدِ حق نہیں ہے تو پھر یہ راز کیا ہے؟
پُرغم بنا فسانہ جتنا ہوا پُرانا

سرتیز ناوکوں نے پیاسوں کی مشک چھیدی
ایسا ہوا مخالف ساداتؑ سے زمانا

تعلیمِ کربلا سے مقصد ہوئے یہ ظاہر
سوتوں کو تھا جگانا مُردوں کو تھا جلانا

ملتی نہیں جہاں میں ایسی مثال کوئی
ہنس ہنس کے زخم کھانا تیروں پہ مسکرانا

ذکرِ وفا جب آیا عباسؑ یاد آئے
مانوس اُلفتوں سے کتنا تھا وہ فسانا

چاکِ سحر سے پوچھو رنگِ شفق کو دیکھو
شبیرؑ کی مصیبت بھولا نہیں زمانا

بازوئے شاہِ دیں کی اللہ ری وفائیں
دریا پہ پیاسا جانا اور تشنہ لب ہی آنا

ہر آنکھ یادِ شہ میں موتی لٹا رہی ہے
دکھلا یزید تو بھی ایسا کوئی خزانا؟

کوشش ہے اب گرامیؔ ذکرِ حسینؑ و کیں
کینہ ہے کارفرما جذبہ ہے یہ پُرانا

شاہ مدینہ کا سفر

(فخر الملت جناب مولانا خواجہ مختار احمد صاحب مدظلہ)

"وطن" یہ لفظ بھی کتنا خوش آیند ہے' کتنا دلکش ہے' کوئی مغرب کا رہنے والا ہو یا مشرق کا۔ وحشی ہو یا تہذیب سے آراستہ' سرمایہ دار ہو یا بینوا' بیمار ہو یا تندرست' اسے وطن تو ہر ایک کا پیارا ہے' کوئی دل تیری محبت سے خالی نہیں' ہر سینہ میں تیری پھڑک' ہر پہلو میں تیری تڑپ موجود ہے۔ نہ صرف انسان بلکہ تو ہر جاندار نیز ہر چیز کے لئے تجھ میں کشش موجود ہے' وطن کی الفت بعض خیالوں میں جزو ایمان سمجھی جاتی ہے۔ اہل عقل کی نظر میں زندہ دلی کا ثبوت ہے' جو دل اس درد سے آشنا نہیں گوشت کا لوتھڑا ہے اور بس۔ مادر وطن کی جدائی میں اگر کلیجے سے آہ نہ نکلے تو سمجھنا چاہیئے کہ دل فوت ہوگیا ہے اور روح کی موت ہوگئی ہے۔ سلیم الطبع شعرا گل و بلبل کی داستان میں اسی درد کو حدیث دیگراں خوب سرا رہا ہے۔ فی الحقیقت وطن کا طرز' وطن کی معاشرت' وطن کی گلیاں' وطن کی فضا' وطن کے لوگ' وطن کی آب ہوا' وطن کی ہر چیز پیاری ہے' وطن کی ہر شئے سہانی۔ اس کی دلگیری و دلفریبی سے کسی کو انکار ہے۔ اس کی بدولت حکومتیں قائم ہیں اور ظالم سلاطین کی سلطنتیں زیادہ ویران نہ ہوسکیں اور مظلوم آسانی سے گھر نہ چھوڑ سکا۔ اس جذبہ سے ہر شخص واقف ہے۔ ہاں پورا احساس اس وقت ہوتا ہے جب کوئی دیس سے بچھڑ جائے۔ پھر کسی عالم میں ہو گھر ضرور یاد آئے گا۔ اور خوب خوب تڑپائے گا۔ اس وقت ہزار عیش و راحت میں اس درد کی ٹیس آگے بڑھتی ہے کم نہیں ہوتی اور بڑی سے بڑی مصیبت بن جاتی ہے بقول خواجہ درد:۔

مر مر گئی بلبل جو کیا یاد چمن کو: غربت میں خدا یاد دلائے نہ وطن کو

آج جبکہ برسوں کی راہ مہینوں میں' اور مہینوں کی راہ دنوں میں اور دنوں کی راہ گھنٹوں میں طے ہونے لگی ہے پھر بھی وطن کی یاد میں مزا اور مغز میں کافی دلچسپی موجود ہے۔ لطف یہ ہے کہ "ترانہ وطن" وطن میں رہتے ہوئے بھی جذب و اثر سے خالی نہیں۔ اگر کسی بد مذاق کی بزم شعور ویرانی ہوچکی ہو تو ممکن ہے اس لذت سے محروم ہو ورنہ عالم کے ہوش یہاں متفق ہیں کہ وطن کی مفارقت الم انگیز ہے۔ سعدی شیرازی فرماتے ہیں۔

یوسف کہ بہ مصر بادشاہی کرد: میگفت گدا بودن کنعاں خوشتر

ابتک تو سادہ وطن کا ذکر تھا لیکن اگر وطن میں دلبستگی کے غیر معمولی اسباب بھی پیدا ہو جائیں تو اس کی محبوبیت کا اندازہ کون لگا سکتا ہے۔ امام حسینؑ کا وطن ایسا ہی تھا جس میں کئی چیزیں ایسی تھیں جن سے امام انام کو کافی لگاؤ تھا۔ اگر امام حسینؑ مدینہ سے صرف وطن ہونے کی حیثیت سے مانوس ہوتے جب بھی حق بجانب تھے مگر یہاں وطن کے ساتھ نانا کا مزار' ماں کی تربت' بھائی کی لحد کا بھی سوال ہے۔ یعنی مدینہ سے کوچ بھی ہے اور ان چیزوں سے بچھڑنا بھی۔ اس لئے مدینہ کی جدائی حضرت پر بہت شاق تھی۔ چلنے سے پہلے' بوسہ گاہ عرش آستانہ پر حاضر ہوئے حاضری ہے اور آخری حاضری دیدار ہے اور وہ جس کے بعد محروم رہیں گے۔ صلوٰۃ و سلام عرض کرنے کے بعد سر جھکا کر کھڑے ہوگئے۔ غم فراق کلیجہ میں چٹکیاں لے رہا ہے۔ جدائی کا خیال دل مسوس رہا ہے' آنکھوں سے لگاتار آنسو بہہ رہے ہیں۔ معصوم جذبات میں جذر و مد کا عالم ہے' رقت کے جوش سے جسم مبارک میں کپکپی پڑی ہوئی ہے۔ بیقراریوں کا ہجوم ہے۔ دل کہتا ہے سر جائے مگر یہاں سے قدم نہ ہٹائے ضرورت کہتی ہے حسینؑ پیغمبرؐ کے روضہ کو خیرباد کہو' امت کی خبر لو' طبیعت کہتی ہے کوچ کا ارادہ نہ کیجئے۔ وقت کی نزاکت کہتی ہے مولا جلد چلئے۔ حب وطن بھی قدم لپٹی ہے اور کہتی ہے کہاں تشریف لے چلے خاک کربلا آواز دیتی ہے مولا اب دیر نہ ہو۔ شوق کی تمنا ہوگی کہ عمر بھر نہ جائیے۔ مجبوریوں کا تقاضہ ہے کہ دم بھر نہ ٹھہریں' یہ کشمکشیں ہیں اور

نازش دودمانِ عصمت' یہ اضطراب ہیں اور ناز پروردہ رسالت روح پر کتنا صدمہ ہوگا۔ دل پر کیا گزرتی ہوگی۔ اس کو حسینؑ کے سوا کون جان سکتا ہے۔ بہ ہزار دشواری عتبہ عالیہ سے رخصت ہوئے اسکی ملتے چلتے کو ایک کے ساتھ ماں کے مرقد اور بھائی کے مزار سے رخصت ہوئے۔ بنی ہاشم کا قافلہ تیار ہوا' سواریاں حرکت میں آئیں' اللہ اللہ ایک دن وہ تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کافروں کی ایذارسانی کی وجہ سے مکہ معظمہ سے ہجرت فرمائی اور مدینہ کا قصد فرمایا۔ جب اہل مدینہ کو یہ خبر مسرت آمیز معلوم ہوئی اُمنگوں نے جوش مارا' آنکھوں میں شادی عید کا نقشہ کھنچ گیا۔ دن اور رات کی تمام گھڑیاں قدوم میمنت لزوم کے انتظار میں صرف ہونے لگیں' مدینہ والے اسی شوق میں صبح سے دوپہر تک پہاڑوں کی چوٹی پر بیٹھے اپنی منتظر آنکھیں مکہ کی راہ پر لگائے رکھتے تھے جہاں تک نگاہ کام کرتی تھی ٹکٹکی باندھے دیکھتے رہتے تھے۔ مشتاق دل ہر آنے والے کو دیکھ کر چونک پڑتے تھے' جب دھوپ تیز ہو جاتی کچھ اداس ہو کے گھروں کو واپس آجاتے۔ اسی کرب آمیز انتظار میں کئی دن گزرے' ایک روز جبکہ وقت بے وقت ہو چکا تھا اور انتظار کرنے والے اپنی حسرتوں کو سمجھاتے اور تمناؤں کو تسکین دیتے ہوئے پلٹ چکے تھے کہ ایک بلندی سے کسی نے آواز دی' جانے والو پلٹو تمہارا مقصود بر آیا اور تمہارا مطلوب وہ آن پہونچا۔ یہ صدا سنتے ہی پژمردہ دل شاداب ہوگئے آنکھوں میں خوشی کے آنسو ڈبڈبا آئے۔ رگوں میں خون کی روانی بڑھ گئی چہرے فرطِ مسرت سے سُرخ ہوگئے' بے قرار ہو کر پیشوائی کو بڑھے اور پروانہ وار قرباں ہوتے ہوئے آبادی تک لائے۔ اب کیا تھا گھر گھر خوشی تھی۔ کیوں نہ ہو منہ مانگی مراد پائی تھی۔ ہر گھر میں نغمات شادی کی آوازیں بلند ہو رہی تھیں چھوٹے بڑے جوان لڑکے لڑکیاں خوش ہو ہو کر ایک دوسرے کو مبارکباد دے رہے تھے غرض در و دیوار سے خوشی ٹپک رہی تھی۔ ایک وہ دن تھا جب رسولؐ یہاں تشریف لائے تھے۔ ایک آج کا دن ہے کہ امام مظلوم سے مدینہ چھوٹتا ہے۔ یہ وہ شہر ہے جس کو نبی نے مدینہ بنایا تھا۔ حسینؑ یہاں سے کوچ فرما رہے ہیں' وہ مسجد نبی جس میں رسولؐ اپنے نواسے کے لئے اونٹ بنتے تھے۔ مدینہ کی وہ زمین جس پر امام گھٹنیوں چلے تھے۔ مدینہ کی وہ زمین جس نے حسینؑ کی بچپنی کی بہاریں دیکھیں۔ مدینہ کی وہ زمین جس پر حسینؑ کی کرامتیں ظاہر ہوئی ہیں' سر پر خاک حسرت ڈالتی تھی اور پردیس جانے والے کے پیارے پیارے قدموں سے لپٹ کر بزبان حال کہتی ہے۔ اے فاطمہؑ کی گود کی بہار' اے سیدہ کے کلیجہ کی ٹیک اے شاہزادی کے دل کے سہارے کہاں کا ارادہ فرمایا۔ وہ کونسی سرزمین ہے جس کو یہ عزت والے پاؤں (جو میری آنکھوں کا تارہ ہیں) شرف بخشیں گے۔ حسینؑ ذرا ماں کی تربت کی طرف پلٹ کر ایک نظر اور دیکھ لو' ارے میں تو قلب مبارک کے دھڑکنے کی آواز سن رہی ہوں۔ تمہاری اماں جان نانا جان سے کیا عرض کر رہی ہیں۔ حسینؑ! آہ کیا غضب ہے تمہاری آنکھوں سے مسلسل اشک جاری ہیں خدا گواہ ہے میں تو یہ دیکھتا تھا کہ نبی ان آنکھوں کی نمی نہ برداشت کر سکتے تھے۔ امام نے پلٹ کر حسرت بھری نظر سے مدینہ کی در و دیوار کو دیکھا اور سفر جاری کردیا۔ اس نظر نے کیا کچھ دیکھا ہوگا۔ کون کون سا نقشہ پیش نگاہ ہوگا دل کا کیا حال ہوگا اور خیالات کا کیا عالم ہوگا۔ ہجوم حزن و ملال کے ساتھ۔ مسرت کی لہر بھی محسوس ہو رہی تھی جو حسینؑ اور اُن کے خاندان کا حصہ ہے ایسے عجیب و غریب عنوان سے حسینؑ سفر کر رہے تھے جس قدر برکت والا قافلہ نگاہوں سے دور ہوجاتا تھا اس قدر پیچھے رہ جانیوالی پہاڑیاں' مدینہ کے نخلستان' مسجد نبی کی دیواریں سر اُٹھا کر دیکھنے کی زیادہ خواہش کرتی تھیں' یہاں تک کہ جانے والا نگاہوں سے غائب ہوگیا۔ در و دیوار پر مایوسی چھا گئی"

اصغرؑ تڑپ کے مر گئے اک جام کیلئے

(از جناب ساحر نجمی ہنسوی)

سر دیدیا حفاظتِ اسلام کیلئے
شبیرؑ منتخب ہوئے اس کام کیلئے

معصوم کا لہو تھا بڑے کام کیلئے
سُرخی بنا فسانۂ اسلام کیلئے

ہر قوم کو سُنایئے روداد کربلا
یہ داستاں نہیں فقط اسلام کیلئے

دنیا کو کچھ سکھایئے اور خود بھی سیکھئے
بنیاد مجلسوں کی نہیں نام کیلئے

سُوکھے گلے کا اپنے لہُو وقف کردیا
اک ناتواں نے قوتِ اسلام کیلئے

آپس میں کچھ مفید یہ خونریزیاں نہیں
اسلام اور بانیٔ اسلام کیلئے

عباسؑ نے حسینؑ پہ کی زندگی نثار
خود مٹ گئے امانتِ اسلام کیلئے

مانو میں کس طرح سے مسلماں تھے اہل شام
اصغرؑ تڑپ کے مر گئے اک جام کیلئے

ساحر مجھے ہی ناز کہ ہوں شاعر حسینؑ
کہتا نہیں میں نظم کبھی نام کیلئے

اسلام کا بلند تارا

(از جناب ساحر نجمی ہنسوی)

ہم یہ نہیں کہتے کہ ہمارا ہے حسینؑ
ہر ڈوبتے تنکے کا سہارا ہے حسینؑ

ہر پست و بلند پر نظر ہے جسکی
اسلام کا وہ بلند تارا ہے حسینؑ

حسینی بہتّر پیاسوں کے مقابلہ بہتّر ہزار فوج یزیدی

(از جناب سید محمد اکبر صاحب رضوی سیتاپوری مولف کتاب حسینی دنیا)

ناچیز ناظرین کی خدمت میں وہ اعداد و شمار پیش کر رہا ہے جو بالتفصیل فوج یزید کی اور ان کے سرداروں کی تاریخیں بتاتی ہیں جس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ ان بہتّر پیاسوں کے مقابل میں کتنا انتظام کیا گیا تھا اور کس قدر منظم فوج کو بلا میں امام حسین علیہ السلام کے مدمقابل تیار کی گئی تھی۔ اس کے علاوہ دیگر اعداد کا بھی تذکرہ موجود ہے جو درج کی جاتی ہیں :-

عمر ابن سعد سردار فوج ۶ ہزار	شبث ابن ربعی ۲۴ ہزار	عروہ بن قیس ۴ ہزار	سنان ابن انس نخعی ۴ ہزار	حصین ابن نمیر ۴ ہزار
شمر ذی الجوشن الضبابی ۴ ہزار	مغائر ابن زینتہ المازنی ۳ ہزار	یزید ابن رکاب الکلبی ۲ ہزار	نفر ابن خرشہ ۲ ہزار	محمد ابن اشعث ایک ہزار
عبداللہ ابن نامعلوم ایک ہزار	خولی اصبحی ۱۰ ہزار	بکر ابن کعب ابن طلحہ ۳ ہزار	مجار ابن الحر ایک ہزار	

حر بن
یزید ریاحی
۳ ہزار

(کل میزان مجموعی بہتّر ہزار ہوتی ہے)

ان اعداد و شمار کو دیکھنے سے واضح ہوتا ہے کہ کل تعداد بہتّر ہزار تھی جو اُن بہتّر پیاسوں کے مدمقابل مرتب کی گئی تھی بایں الفاظ کہنا پڑتا ہے کہ ایک کے مقابل میں ایک ہزار لایا گیا تھا جس سے آپ بخوبی قوت انصار حسینی کا اندازہ کر سکتے ہیں کہ دنیا میں اُن کی کیا ہیبت طاری تھی تاہم بھوک اور پیاس کی سخت ترین تکلیف نے بھی ان کے تیوروں پر شکن آنے نہیں دی اور وہ شورما اپنے ارادوں پر قائم رہتے ہوئے بہادری کے جوہر دکھاتے ہوئے راہی جنت ہوئے اور دنیا کو ایک سبق آموز زندگی کا سبق پڑھا گئے۔

جناب ام کلثومؑ اور حضرت عباسؑ

(جناب مولانا سید مجسم الحسن صاحب کراروی، صدر الافاضل مبلغ مدرسۃ الواعظین از پشاور)

جناب ام کلثومؑ بنت علی بن ابی طالبؑ دنیا کی ان عورتوں میں جو باعزت با احساس، فریضہ شناس ہوں، ممتاز اور بلند ترین درجہ رکھتی تھیں، تاریخ کے صفحات الٹ ڈالیئے، کتب سیر کا جائزہ لیکر دیکھیے حضرت زینبؑ کے بعد ام کلثومؑ سے زیادہ آپ کو کوئی مخدرہ ممتاز نہ نظر آئے گی، قدرت نے آپ کو وہ دل و دماغ دیئے تھے اور وہ ہمت و ثبات عطا کیا تھا جس پر سیکڑوں بہادروں کے دل و دماغ اور ہمتیں صدقہ کردیئے جانے کے قابل۔ فرصت و انبساط، آرام و آسائش میں ہر شخص اپنی قوت صبر و استقلال کا مظاہرہ کرسکتا ہے لیکن اضطراب و پریشانی، رنج و غم کے متواتر حادثے کے بعد صبر و استقلال ہمت و ثبات کے میدان میں گامزن رہنا بہت دشوار ہے عورت تو عورت، ایسی صورت میں مردوں کی ہمتیں پست ہوجاتی اور ارادے ٹوٹ جاتے ہیں۔

جناب ام کلثومؑ نے جب آنکھیں کھولیں تو مصائب و آلام کا نقشہ دیکھا، آغوشِ مادر میں آئیں اور زندگی کے تھوڑے لمحات گزارے اسی زمانے میں جتنا بھی آرام اٹھالیا ہو لیکن ولادت کے چند ہی سال بعد سے مصائب و آلام کے برداشت کے مواقع سامنے آنے لگے سنہ ۱۱ ہجری میں پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دنیا سے انتقال فرمایا۔ اس موقع پر نمایاں غم منانے والوں میں جناب ام کلثوم بھی تھیں۔ آپ گھر کے چاروں طرف سرگرداں اور گریہ کناں و پریشان پھر رہی تھیں اور زبان مبارک سے یا جداہ یا رسول اللہ کہتی جاتی تھیں، نانا کے انتقال کے بعد آپ کے گھر کو نذر آتش کیا گیا پھر آپ کی مادر گرامی پر دروازہ گرا کر جناب محسن کو بطن فاطمہ میں شہید کیا گیا (الملل والنحل) پھر علی ابن ابی طالبؑ کے گلے میں رسی باندھی گئی (ابن ابی الحدید) اور ان کو گھسیٹ کر دربار میں لے جایا گیا (الامامۃ والسیاست) اور ان سے یہ کہا گیا کہ بیعت کرو ورنہ گردن ماردی جائے گی (روضۃ الاحباب) ان تمام حالات سے جس طرح تمام اہلبیت رسالت متاثر ہوتے رہے حضرت ام کلثومؑ بھی رنج و غم کے گھونٹ پیتی رہیں۔

ابھی ان روح فرسا واقعات کو تھوڑا ہی زمانہ گزرا تھا کہ دنیا والوں کی تعدیوں کی وجہ سے آپ کی مادر گرامی علیل ہوگئیں اور تھوڑے ہی دن بعد آپ سے جدا ہو کر راہی جنت ہوئیں۔

ماں کا سایہ سر سے اٹھا باپ حضرت علی علیہ السلام تسلی کے لئے موجود تھے، آپ حضرت علیؑ کے سایہ میں زندگی بسر کررہی تھیں کہ ابن ملجم ملعون نے مسجد کوفہ میں حضرت علیؑ پر وہ ظلم کیا جس سے کائنات عالم تھرا اٹھی۔ ام کلثومؑ پر یہ مصیبت بھی گزری، باپ کے بعد بھائی حسن علیہ السلام خاندان کے نگراں قرار پائے۔ پس از اندک فرصتے بر سر طشت برادر خود حضرت امام حسنؑ گریہ و نوحہ میکرد" تھوڑے زمانہ کے بعد ہی امام حسن علیہ السلام کے جگر کے ٹکڑوں سے بھرے ہوئے طشت کے سامنے فریاد فغاں کرنا پڑی، پھر اس کے بعد وہ موقع آیا کہ حضرت امام حسین علیہ السلام خاندان کے نگراں اور امام کائنات قرار پائے۔ آپ نے بھائی کے ہمراہ کچھ زندگی بسر کی یہاں تک کہ سنہ ہجری آگئی۔ حسینؑ سے بیعت یزید کا مطالبہ اور سوال شروع ہوا۔ امام حسینؑ نے مدینہ چھوڑ دینے کی ٹھان لی۔ آقائے دربندی لکھتے ہیں کہ جب روانگی کا انتظام شروع ہوا حضرت عباسؑ کے زیر اہتمام چالیس محملیں آراستہ کی گئیں، جب جناب زینبؑ سوار ہونے لگیں تو حضرت عباسؑ نے بڑھکر آواز دی "تنحوا یا بنی ہاشم"

اے بنی ہاشم ذرا ہٹ جاؤ علیؑ اور فاطمہؑ کی بیٹیاں سوار ہو رہی ہیں، غرضکہ یہ لشکر مدینہ سے مکہ اور مکہ سے کربلا پہونچا، ساتویں سے پانی بند ہوا، دسویں کو ظہر سے پہلے امام حسینؑ کے تمام اعزا و اقرباء و احباب و انصار شہید ہو گئے یہاں تک کہ جناب علی اصغر علیہ السلام نے بھی دم توڑ دیا، عصر کا وقت گزرتے گزرتے امام حسین علیہ السلام بھی رخصت آخری کے بعد ایک ہزار نو سو اکیاون زخم کھا کر شہید ہو گئے۔

حسینؑ جب خیمہ سے رخصت آخری کے بعد میدان کارزار کو جا رہے تھے تو آپ نے زینبؑ و ام کلثومؑ اور دیگر مخدرات عصمت کا نام لیکر فرمایا تھا "علیکن منی السلام" تم پر میرا سلام آخری ہو۔

ذوالجناح کی واپسی پر ام کلثومؑ کی فریاد

حسینؑ شہید ہو گئے اُن کا گھوڑا خون میں پیشانی رنگین کئے ہوئے در خیمہ پر آیا۔ اس ذوالجناح پر نظر پڑتے ہی ام کلثومؑ نے اُسے مخاطب کرتے ہوئے یوں فریاد کی۔ "اے ذوالجناح برادرم وقت میدان رفتن تشنہ بود آیا کسے او را آب داد" اے ذوالجناح بیوفائی کردی او را از میان دوستان بردی و در میان دشمنان گذاشتی" اے ذوالجناح میدان کی روانگی کے وقت میرا بھائی پیاسا تھا آیا اُسے کسی نے پانی پلایا یا نہیں، اے ذوالجناح تو نے بڑی بیوفائی کی، میرے بھائی کو ہم لوگوں میں سے لیجا کر دشمنوں میں چھوڑ آیا۔

ان کثیر حوادث کے مقابلہ اور اتنی کثرت سے مصیبتوں کے برداشت کرنے کے بعد کس میں ضبط و استقلال عزم و ثبات باقی رہ سکتا ہے لیکن یہ حسینؑ کی بہادر بہن حضرت ام کلثومؑ ہی کا جگر ہے جو صبر و استقلال کے میدان میں کامل ثابت ہوئیں۔

تاریخ گواہ ہے کہ بازار کوفہ، دربار کوفہ اور شام کے بھرے ہوئے ایوان ریاست میں حضرت ام کلثومؑ نے ایسی تقریریں کیں کہ دشمنوں کے دل ہل گئے۔ علامہ اسفرائنی کا بیان ہے کہ جب لٹا ہوا قافلہ داخل دربار شام ہوا تو ایک شخص نے حضرت سکینہؑ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ اے یزید مجھے اس بچی کو کنیزی میں دیدے، یہ سُنکر سکینہ نے ام کلثومؑ کی طرف منھ کیا اور کہا۔ اے پھوپھی جان کیا اولادِ انبیاء کنیزی میں بھی دی جا سکتی ہے۔ فاذا یام کلثوم قالت للرجل اقصر من ہذا الکلام قطع اللہ یدیک ورجلاک ام کلثومؑ نے فوراً فرمایا خدا تیرے ہاتھ پاؤں کاٹے، اے بدبخت کیا کہہ رہا ہے، نور العین صفحہ ۹۰ اس کے علاوہ آپ کی کثیر تقریریں اور اشعار و واقعات کربلا کے سلسلے میں موجود ہیں جن سے آپ کی عظمت اور قوت دل و دماغ اور صبر کے کمال کا پتہ چلتا ہے۔

ام کلثومؑ اور حضرت عباسؑ

واقعہ کربلا کی اہمیت کو دوبالا کرنے کے سلسلے میں چار ذوات کا نمایاں تذکرہ آتا ہے حضرت امام حسینؑ، جناب زینبؑ، حضرت عباسؑ، جناب ام کلثومؑ، ان چاروں میں تین تو حقیقی بھائی بہنیں ہیں یعنی حضرت فاطمہ زہراؑ کی اولاد ہیں اُن کے بیٹے اور بیٹیاں ہیں لیکن حضرت عباسؑ فاطمہؑ کے بطن سے اگرچہ نہیں لیکن اُن کے فرزند تو ہیں، اس بات کو فاطمہؑ نے ایک شخص پر خواب میں واضح فرمایا ہے (اسرار الشہادت) اگرچہ ان کی رگوں میں فاطمہؑ کا خون نہ سہی لیکن علیؑ کا خون تھا یہی تو وجہ ہے کہ جنگ کربلا میں انھوں نے اپنے کو نمایاں جگہ دی تو حضرت فاطمہؑ کے منھ بولے بیٹے ہونے کی حیثیت سے بھی حضرت عباسؑ، ام کلثومؑ کے بھائی قرار پائے، لیکن واقعات شب عاشور کے سلسلے میں سُنا جاتا ہے کہ حضرت ام کلثومؑ خاموش بیٹھی تھیں چہرہ اترا ہوا تھا، عباسؑ نے بڑھکر پوچھا فرمائیے خاموش کیوں ہیں، آنکھوں میں آنسوں بھر کر جناب ام کلثومؑ بولیں، بھائی کیا کہوں، آج کی صبح کو تمام مخدرات عصمت، میرے پیارے بھائی اپنے اپنے نونہال قربان کریں گی، میرے کوئی اولاد نہیں، میں کل اپنے بھائی پر کونسا موتی نثار کروں گی، عباسؑ نے عرض کی، بہن اگر آپکے اولاد نہیں اور آپ کو اس وقت اس بات کا صدمہ ہے کہ حسینؑ پر آپ کس کو نثار کریں گی تو ناچیز کو اپنا فرزند تصور فرمائیے اور اپنی طرف سے مجھے میرے آقا حسین علیہ السلام پر نثار کر دیجئے۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عباسؑ اپنے کو حضرت ام کلثومؑ کا ناچیز فرزند سمجھتے تھے غالباً اسی وجہ سے روانگی کوفہ کے وقت جب اہلبیتؑ مقتل کی طرف :

لیجائے گئے تو جناب ام کلثوم نے حضرت عباس کی لاش پر گریہ فرمایا تھا۔

جناب ام کلثوم نعش حضرت عباس پر

ارباب سیر کا بیان ہے کہ شہادت حسینی کے بعد رات گزری صبح ہوئی' اہلبیت کی روانگی کا انتظام شروع ہوا شمر ملعون نے ان سب عزیزوں کو مقتل کی طرف سے روانہ کیا' جب یہ مصیبت زدہ مقتل میں پہونچے تو ہر ایک محو ماتم و نالہ وفریاد ہوا۔ جناب ام کلثوم خصوصیت سے حضرت امام حسین کے بعد حضرت عباس پر گریہ فرماتی تھیں۔ "در روز عاشور چوں اسیران آل محمد را از قتلگاہ گزرانیدند ام کلثوم دخون اول گریہ بسیار سے بر سر جسد پارہ پارہ برادر باجان برابر خود جناب سید الشہداء علیہ السلام کردہ' پس ناگاہ اورا نیافتند و ناپدید شد' صدائے نالہ از کنار فرات بگوش لشکریان رسید' چوں از اثر آں صدا رفتند دیدند کہ آں مظلومہ بر سر نعش بے سر دست برادر خود حضرت عباس نوحہ وندبہ میکند' آں شہید را وداع کردہ بباقی اسیران ملحق شد" یعنی عاشور کے دن جب اسیران آل محمد کو قتل گاہ کی طرف سے لے جانے لگے تو حضرت ام کلثوم نے اپنے برادر حضرت امام حسین کی پارہ پارہ لاش پر گریہ کیا۔ پھر وہاں سے اٹھکر سیدھے نہر فرات کے کنارے پہونچیں' جب لوگوں نے انھیں اورا سیروں میں نہ پایا تو تلاش شروع کی' فرات کے کنارے سے رونے کی آواز آتے محسوس کی اور اسی طرف روانہ ہوئے دیکھا کہ وہ مخدرہ اپنے بے سر بے دست بھائی حضرت عباس پر بے پناہ گریہ کر رہی ہیں پھر یہاں سے رخصت ہو کر اور اسیروں میں آملیں اور روانہ کو فہ کر دی گئیں (مفتاح الجنۃ صفحہ ۵۲ طبع بمبئی ۱۳۰۸)

ان واقعات سے روز روشن کی طرح واضح ہو گیا کہ حضرت عباس کی نظر میں جناب ام کلثوم اور جناب ام کلثوم کی نظر میں حضرت عباس کی کیا حیثیت تھی اور ان دونوں میں عطوفت و محبت کس درجہ موجود تھی۔

حیات ایمانی

(از جناب سید ابو الحسن صاحب تشنہ بلگرامی)

قائم کر دی سرور نے یوں حق پر رسم قربانی
اسلام کا بالا بول کیا کی کفر کی نیچی پیشانی

آغوش پدر میں گھر سے چلا او تیروں سے کھیلا میداں میں
اس ننھے سے بچے اصغر نے دکھلا دیا عزم ایمانی

جو بوند لہو کی گردن سے اے اصغر ناداں ٹپکی تھی
شبنم تھی وہ نخل دیں کیلئے یا آب حیات ایمانی

عباس کا قبضہ باقی ہے تا حشر ترائی ہے انکی
ہوتے ہیں ارادوں کے جو دھنی رکھتے ہیں وہ زور یزدانی

اے خاک زمین کرب و بلا تو دل سے اندھیر گھری تھا
جلتی ہے جگر کے گوشوں میں عاشور کی شمع نورانی

وہ وقت بھی ہے کیا یاد تجھے اے مشہد میر صبر و رضا
سینے پہ تھا شمر بد اختر ہونٹوں پہ تھی یاد ربانی

تشنہ کا شہید کرب و بلا ساقی ہے میان روز جزا
کوثر سے کرے گا جام عطا دنیا سے گیا جو بے پانی

تاجدارِ کربلا کی بین الاقوامی شخصیت

(از جناب مولانا سید حسین اصغر صاحب جلالوی)

انسان کو بیدار تو ہو لینے دو
ہر قوم پکارے گی ہمارے ہیں حسینؑ
(جوش ملیح آبادی)

دنیا کے ہر واقعہ کی اہمیت اس کے مقصد سے وابستہ ہوا کرتی ہے مقصد جس قدر پاکیزہ اور ذاتی اغراض و مقاصد سے بے تعلق ہوگا اتنا ہی اس کو سرحد تکمیل تک پہونچانے والا ہر اقدام پسندیدہ اور لائق تحسین ہوگا۔ تاریخ میں کثرت سے ایسے واقعات ملیں گے جو اپنے خاص کیفیات کی بنا پر کافی اہمیت رکھتے تھے ان کے اندر ہمدردیوں کے حاصل کرنے کی بہت کچھ استعداد پائی جاتی تھی لیکن وہ تاریخ میں نمایاں جگہ نہ پا سکے وجہ ظاہر ہے کہ اپنے امتیازی حالات کے باوجود ان کی بنیادوں میں مقصد کی پاکیزگی کارفرما نہ تھی دنیا کا ہر ایسا واقعہ جو اپنی جانب متوجہ کرنے کی صلاحیتوں کے ساتھ ساتھ مقصد کی پاکیزگی کا بھی حامل ہو اور اس کی خاص غرض بشریت کی بے لوث خدمت ہو وہ تاریخ کے صفحات سے کبھی محو نہیں کیا جا سکتا بشریت اولاد آدم کی مشترکہ میراث ہے۔ اگر کوئی پُرحوصلہ انسان اس گراں مایہ جوہر کو رہزن انسانیت کے ہاتھوں تباہ و برباد دیکھ کر اس کے تحفظ کے لئے کوئی قربانی پیش کرے تو اس کا اس راہ میں اٹھنے والا ہر قدم اس دنیا پر کبھی نہ فنا ہونے والا احسان ہوگا جو ابو البشر کی اولاد کبھی جا سکتی ہے اور اس کی قربانی کسی خاص طبقہ، قوم و ملت یا کسی ماحول تک محدود نہ ہوگی۔ امام حسینؑ نے کربلا کے میدان میں جو کچھ کیا اس کا مقصد بھی حقیقتاً وہی تھا جو اوپر پیش کیا گیا۔ اس لئے ظاہر ہے کہ ان کے اقدام کے اثرات صرف سرزمین عراق اور اسلام کے پرستاروں تک ہی محدود نہیں رہ سکتے اور اثرات کے لحاظ سے ان کی قربانی کا دائرہ ان تمام حدوں تک حاوی ہوگا جہاں جہاں انسانیت کا وجود نظر آتا ہو۔

انسانیت ایک بین الاقوامی مقصد ہے اور یہ مسلمہ ہے کہ ہر بین الاقوامی مقصد کی حمائت کرنے والا انسان بین الاقوامی شخصیت کا مالک ہوتا ہے۔ اس نظریہ کے ماتحت کون ہے جو امام حسینؑ کی شخصیت کے متعلق انکار کر سکتا ہو کہ وہ بین الاقوامی نہیں تھی۔ انسانیت کا کسی خاص دور سے تذکرہ نہیں ہر زمانہ میں ضمیر فروشی، قوم فروشی، استعداد، جبر، حقوق تلفی، جھوٹ، زنا اور بے حیائی جیسے افعال کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتی رہی ہے، یزید کے دور میں یہ تمام چیزیں آئین حکومت میں داخل ہو گئی تھیں۔ امام حسینؑ نے محسوس فرمایا کہ انسانیت خطرہ میں ہے اس لئے اس مجسمہ انسانیت نے فیصلہ فرما لیا کہ اپنے نفس کو خطرے میں ڈال کر انسانیت کو بچا لینا انسان کامل کی سب سے بڑی خدمت ہو سکتی ہے۔ اس فیصلے کو عملی جامہ میں پہنانے کے واسطے حسینؑ نے اپنے نانا کے مقدس مزار سے جدائی اختیار کی۔ باپ کی قبر کو چھوڑا، ماں کی لحد سے علیٰحدہ ہو کر کربلا کا رُخ کیا اور کشتی انسانیت کی ناخدائی کا مصمم ارادہ کر لیا۔ حسینؑ کے ہمراہ چند بچے اور چند مخدرات عصمت بھی تھیں۔

ادھر یزید نے انسانیت کو ختم کرنے کے لئے کمر باندھ لی اور ایک لشکر کثیر کو ایک مختصر سے قافلہ کے مقابلہ کے واسطے جس پر حیوانیت کا غلبہ تھا اور انسانیت سے کوسوں دور تھا بھیجا۔ امام حسینؑ نے انسانیت کی خاطر کڑیل جوان فرزند کے برچھی لگتے دیکھی۔ ننھے مجاہد کو تیر کھاتے دیکھا، برابر کے بھائی کے شانے کٹتے دیکھے، بھائی کی یادگار کو مٹتے دیکھا، اصحاب باوفا کو جام شہادت سے سیراب ہوتے دیکھا

لیکن یہ گوارہ نہ کیا کہ انسانیت فنا ہو جائے اور وہ غار جو یزید نے انسانیت کو دفن کرنے کے لئے کھودا تھا امام حسینؑ نے اسی کے اندر یزیدیت کو ہمیشہ ہمیشہ کے واسطے دفن کر دیا۔ اگر حسینؑ کے علاوہ کوئی دوسرا ہوتا اور اسیران مصائب کا عشر عشیر بھی پڑتا تو یقینی طور پر اس کے ارادوں کی بنیادیں متزلزل ہو جاتیں۔

لیکن حسینؑ نے جو اس میدان میں لازوال قربانیاں پیش کیں وہ نہایت بلند اور انسانیت کے مستقبل کے لئے رہبر تھیں اور یہ تمام قربانیاں اصل مقصد کا جزو لاینفک تھیں۔ حسینؑ نے جو کچھ کیا اس کی نظیر دنیائے تاریخ پیش کرنے سے قاصر ہے۔ یقیناً سانحہ کربلا کا ہر واقعہ اخلاقیات کا ایک ایک سبق اور انسانی شرافت کی غیر معمولی رفعت کا ثبوت ہے ان کی شخصیت کا مطالعہ کرنے سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ زندگی انسان کی حقیقتاً آزاد ملک نہیں ہے۔ بلکہ وہ خدا کا ایک مستعار عطیہ ہے انسان اپنی خواہش کے مطابق کام لینے کا حق نہیں رکھتا۔ اس کو بلند مقاصد کے حصول میں صرف کرنا چاہیئے انسان بنی نوع کی خدمت کرنے کے لئے پیدا کیا گیا ہے نہ کہ عیش و عشرت کے واسطے۔ حسینؑ نے

اپنے لئے خدمت خلق کو عزیز رکھا، فقر و فاقہ کی زندگی قبول کی اور آرام کو حرام سمجھا اور انسانیت کو باقی رکھنے پر کمربستہ ہو گئے۔

اگر ہم مذاہب عالم کی کسوٹی پر جو انسان کامل کے واسطے تیار کی گئی ہیں۔ امام حسینؑ کو پرکھیں گے تو امام حسینؑ ان کسوٹیوں پر پورے پورے اترتے نظر آئیں گے۔ غیر اسلامی مذاہب میں جو انسان کامل ہونے کے صفات بیان کئے گئے ہیں ان سے امام حسینؑ کے واقعات کو مختصر الفاظ میں منطبق کر کے حوالہ قلم کرتا ہوں۔

جین مذہب انسان کامل ہونے کے تین صفات پیش کرتا ہے صحیح نظر، صحیح ادراک و علم، صحیح اخلاق۔ آیئے اس جین مذہب کے نظریہ کو سامنے رکھکر حسینی سیرت کا مطالعہ کریں، شام و عرب کے تمام علماء جبکہ یزید کی بیعت کر رہے تھے اور ان کے دلوں پر حیوانیت کا سکہ بیٹھا ہوا تھا اس وقت بھی حسینؑ یزید کو مسلمان ہی نہیں بلکہ انسان کہے جانے کا بھی مستحق نہیں دیکھ رہے تھے اس لئے کہ آپ کو صحیح النظری حاصل تھی۔

حسینؑ کے پاس جب کوفہ والوں کے کثرت سے خطوط آرہے تھے اس وقت بغیر تیاری اور بے سروسامانی اپنے قافلہ کو لیکر کہ جن کی رگوں میں انسانیت و شرافت کا خون جوش مار رہا تھا۔ کوفہ کی جانب چلنے پر تیار ہو گئے اس وقت ہر شخص آپ کو منع کر رہا تھا لیکن حسینؑ اسی کو صحیح راستہ سمجھ رہے تھے کیونکہ آپ کو صحیح ادراک حاصل تھا۔ امام حسینؑ کے اخلاق کا کیا کہنا کسی دشمن کو بھی آپ کے اخلاق میں کوئی لغزش رتی بھر ڈھونڈھے سے نہیں ملی حالانکہ اس وقت مورخین سب مخالفین میں سے تھے اس لئے جین مذہب کے نزدیک بھی حسینؑ انسان کامل تھے۔

دوسرا مذہب بودھ ہے، گوتم بدھ کے نزدیک حسب ذیل صفات کا حامل انسان کامل ہو سکتا ہے صحیح نظریہ، صحیح ارادہ، حق گوئی، صحیح اخلاق، صحیح ورزش یا جہد، صحیح روزگار، صحیح حافظہ، صحیح تصور، مجھے یہ تمام صفات حسینؑ کی سیرت میں نمایاں طور سے ملتے ہیں، نظریہ، اخلاق، ارادہ کے متعلق پہلے ذکر ہو چکا ہے۔ حق گوئی جس شخص سے جو کہنا صحیح و درست تھا آپ نے اس سے وہی کہا اور ہمیشہ ٹھیک کہا۔ صحیح ورزش یا جہد، جہاں آپ روحانیت میں لاثانی تھے وہاں جسمانی بہادری میں بھی بے نظیر تھے۔ آپ نے باوجود بھوک و پیاس کے ارض نینوا پر ہزاروں کے مقابلہ میں بے مثل دلیرانہ جنگ کی۔ امام حسینؑ گھر بار چھوڑ کر انسانیت کے تحفظ کے لئے کربلا میں آگئے اس سے بڑھکر صحیح جدوجہد کیا ہو سکتی ہے۔ صحیح روزگار، امیرالمومنینؑ نے بیت المال کا مالک ہو کر دین و دنیا کی بادشاہت کے باوجود بھی یہودی کے باغ میں پانی سینچ کر اپنی زندگی بسر کی۔ فاطمہؑ نے دونوں جہاں کی عورتوں سے افضل ہو کر امور خانہ داری کے خدمات اپنے دست مبارک سے انجام دی اور یہ ظاہر ہے کہ بچہ والدین کے اخلاق سے سبق حاصل کرتا ہے صحیح حافظہ، آپ نے کوئی وعدہ کوئی فریضہ کبھی فراموش نہیں کیا۔ نانا کا حکم تھا کہ اے حسینؑ دیکھو یزید جیسے فاسق و فاجر اور حیوان صفت کی بیعت ہرگز نہ کرنا اور انسانیت کی خاطر اپنی ہر قربانی

پیش کر دینا وہ حسینؑ کو یاد رہا صحیح تصور معبود حقیقی کی عبادت شمر کے خنجر کے نیچے بھی نہیں بھولے اور انسانیت کے تحفظ کا صحیح تصور حسینؑ کے پیش نظر رہا۔ اب تو آپ پر بخوبی واضح ہو گیا ہوگا کہ بودھ مذہب کے نزدیک بھی حسینؑ انسان کامل ہیں۔ دیگر مذاہب کے اصول انسان کامل کو بخوف طوالت ترک کرتا ہوں اور اب یہ بتانا چاہتا ہوں کہ امام حسینؑ نے جو دنیائے انسانیت پر احسان کیا اس کا اثر لوگوں پر کیا پڑا کیونکہ دنیا کا قاعدہ ہے کہ اگر کوئی شخص صرف تحفظ مذہب کی خاطر اپنی جان دیدے تو اس کے مذہب والے اس کی یاد مناتے ہیں اگر کوئی انسان اپنے وطن کی خاطر کوئی قربانی پیش کرے تو اس کے ہموطن ہی اس کی یادگاریں قائم کرتے ہیں چونکہ حسینؑ نے انسانیت کو بچانے کے لئے جنگ کی لہذا اس محسن انسانیت کی یادگار منانا ہر انسان کا فرض اولین ہے۔ اب جو بھی حسینؑ کے کارناموں کو قدر و منزلت کی نگاہوں سے دیکھے گا۔ ان کی یادگاریں قائم کرے گا وہ انسان کہے جانے کا مستحق ہوگا اور اگر کوئی شخص تعصب کی وجہ سے حیوانیت کے غلبہ کی وجہ سے ایک ایسے انسان کامل کی مخالفت کرے اس کی یاد نہ منائے تو وہ ہر صاحب عقل کے نزدیک حیوانیت کا مستحق ہوگا کیونکہ وہ محسن کش انسانیت ہے اس نے حسینی کارناموں کو پس پشت ڈالدیا جس نے انسانیت کے بچانے میں اپنی انتھک کوشش صرف کر دی تھی چنانچہ آج کونسی ایسی قوم ہے جو عزاداری شہدائے انسانیت نہ کرتی ہو۔ سکھ ہوں یا عیسائی ہندو ہوں یا پارسی سب اپنے اپنے طرز معاشرت کے اعتبار سے عزاداری کرتے ہیں۔ بارگاہ حسینی میں عقیدت کے پھول چڑھا کر اپنی انسانیت کا ثبوت دیتے ہیں۔ دنیا کا کونسا ایسا حصہ ہے جہاں حسینؑ کا ماتم برپا نہ ہوتا ہو اگر کوئی انسان محرم کے زمانہ میں شرق و غرب کی سیاحت کرے تو اس کو معلوم ہو جائے گا کہ محسن انسانیت کی یاد ہر جگہ ضرور منائی جاتی ہے۔ ایک عرصہ سے لندن میں اکثر حکام و روساء مجالس وغیرہ میں کثرت سے شرکت کرتے ہیں۔ شام و حجاز ایران و عراق مصر و چین میں بھی انسان اعظم کی عزاداری ہوتی ہے۔ افغانستان میں عزاداری کافی انہماک سے کی جاتی ہے۔ باشندگان برما و تبت عزاداری سے کافی دلچسپی رکھتے ہیں۔ چین کے مسلمان عاشورے کے دن ماتم کر کے اپنی عقیدت کا ثبوت دیتے ہیں۔ ہندوستان کے گوشہ گوشہ میں یادگاریں منائی جاتی ہیں۔ ہندو ریاستوں میں خصوصاً ریاست گوالیار میں مہاراجہ کی جانب سے عزاداری کا تزک و احتشام لائق تحسین اور قابل دید ہے مفصل حالات اگر ان مقامات کی عزاداری کے متعلق درج کئے جائیں تو ایک ضخیم کتاب ہو جائے گی۔

مذکورہ بالا مقامات پر عزاداری کا ہونا امام حسینؑ کی بین الاقوامی شخصیت پر بین دلیل ہے۔ ملک کے مشہور و معروف انسانوں نے حسینؑ کے متعلق خیالات کا اظہار کیا ہے اور بتایا ہے کہ امام حسینؑ نے جو انسانیت پر احسان کیا ہم اس کو ہرگز فراموش نہیں کر سکتے۔ وہ صرف مسلمانوں ہی کے نہیں بلکہ انسان کامل ہونے کی حیثیت سے ہر قوم ہر مذہب اور ہر ملت کے ہیں ہر انسان کو چاہیئے کہ وہ رہبر انسانیت کے بتائے ہوئے راستہ کو اختیار کرے۔ ذیل میں صرف دو حضرات کے اقوال پیش کرتا ہوں ملاحظہ ہو:-

بمبئی میں ۱۳۶۱ھ کے سلسلے میں جو عظیم الشان بین الاقوامی جلسہ منعقد ہوا تھا اس میں سر بہرام جی جیجی بھائی نے بحیثیت صدر یوم حسینؑ تقریر کرتے ہوئے کہا کہ یہ ایک غیر معمولی واقعہ ہے کہ ایک خالص اسلامی جلسہ کی صدارت ایک ہندو کرے اور اس کا استقبال ایک پارسی کے سپرد کیا جائے مگر ہمیں تعجب نہ کرنا چاہیئے کیونکہ یہ جلسہ اس مجسمہ ایثار و قربانی کی یادگار منانے کے لئے کیا گیا ہے جس نے اپنی بے نظیر اور لازوال قربانیوں اور ایثار سے دنیائے انسانیت پر زبردست احسان کیا ہے۔

پیشوائے اعظم فرقہ پارسی بمبئی لکھتے ہیں کہ اگر شہدائے اعظم کی قربانیاں نہ ہوتیں تو دنیا اخلاق، مذہب، شرافت اور صداقت سے نا آشنا رہتی دنیا ان شہداء کی ممنون ہے جنھوں نے موت کو دولت پر ترجیح دی۔ امام حسینؑ انھیں شہداء میں سے ہیں جنھوں نے انسانیت کی بقا کے واسطے جان دیدی ہم کو ان کی یاد اپنے عمل سے منانا چاہیئے اور انکی قربانیوں سے سبق حاصل کرنا چاہیئے۔ اقوال مندرجہ سے بھی حسینؑ کی بین الاقوامی شخصیت پر کافی روشنی پڑتی ہے اگر غور سے دیکھا جائے تو انسانیت کا کوئی ایسا عقدہ نہیں جسے امام حسینؑ نے حل نہ کر دیا ہو

ان کا ہر اقدام پورا اور کامل تھا کیونکہ انسان کامل کا ہر فعل کامل ہی ہوتا ہے حسینؑ ایک ایسا انمول موتی ہے جسے جس پہلو سے دیکھا جائے بے عیب و بیش قیمت نظر آتا ہے حسینؑ وہ خوشنما گلاب ہے کہ جس کا ہر جز اپنی خوبصورتی و خوشبو سے دل کو کھینچ لیتا ہے حسینؑ وہ مجسمہ انسانیت ہے کہ جس نے قصر حیوانیت کو منہدم کر کے انسانیت کے قصر کو ہمیشہ کے واسطے بلند کر دیا۔

اے حسینؑ تو نے درحقیقت کشتی انسانیت کو حیوانیت کے بے پناہ طوفان اور موجوں کے تھپیڑوں سے بچا لیا۔ یہی وجہ ہے کہ آج تجھے ہر انسان ماننے کے لئے سر تسلیم خم کئے ہوئے ہے تیرے آستانۂ انسانیت پر جبیں سائی کرنے پر مجبور ہے۔ تجھے اپنا کہنا اپنے واسطے باعث فخر سمجھ رہا ہے۔ تیرے ہر ہر اقدام کو عزت کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ تیرے بتائے ہوئے راستہ پر چلنا اپنے لئے بہت بڑی کامیابی سمجھتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج دنیا کے ہر ہر گوشہ سے حسینیت زندہ باد، انسانیت زندہ باد کے نعرے گونج رہے ہیں۔

مُبلّغ اسلام

(از مداح آل نبی جناب شرف حیدری جنرل سکریٹری انجمن صغری شکارپور)

کربلا میں حسینؑ کام بڑا کر گئے ۔۔۔ مذہب اسلام کی بگڑی بنا کر گئے
معنیٔ ذبح عظیم سب کو بتا کر گئے ۔۔۔ آئینہ دین پر خوں سے جلا کر گئے
راہ میں معبود کی سر کو کٹا کر گئے

دہر میں روشن کیا حق و صداقت کا نام ۔۔۔ آپ نے قائم کیا دین خدا کا نظام
درہم و برہم کئے قصر ضلالت تمام ۔۔۔ کلمۂ توحید کا کر دیا اعلان عام
مقصد اسلام کو آپ بتا کر گئے

دین خدا کس قدر آپ کو محبوب تھا ۔۔۔ بھائی بھتیجے پسر کر دیئے حق پر فدا
یاور و انصار کو مرنے کی دیدی رضا ۔۔۔ سجدۂ معبود میں اپنا بھی سر دیدیا
نصرت اسلام میں گھر کو فدا کر گئے

راہ میں اللہ کی دی ہیں وہ قربانیاں ۔۔۔ یاد رکھے گا جہاں غم کی فراوانیاں
عالم غربت میں وہ ہائے ستم رانیاں ۔۔۔ خنجر و شمشیر سے ہو گئیں مہمانیاں
ظلم ہزاروں سہے شکر خدا کر گئے

دہر میں روشن کیا دین محمدؐ کا نام ۔۔۔ گھر کو لٹا کر کیا بخشش امت کا کام
جس نے شرف کر لیا نوش شہادت کا جام ۔۔۔ اُس پہ ہو جائیں فدا لاکھوں درود و سلام
کفر کے بیڑے کو آپ غرق فنا کر گئے

سلام

از لسان الہند جناب عزیز مرحوم

(غیر مطبوعہ)

کوئی آساں نہیں ہے کام لبنا ضبط پنہاں سے
لہو اُبلا کرے گا حشر تک خاک شہیداں سے

ذرا نوکِ سناں پر دیکھ سر فرزند زہراؑ کا
اگر چھالوں میں ہوتی ہے خلش خارِ مغیلاں سے

کمانِ چرخ سے تیر قضا بن بنکے چلتے ہیں
پلٹتے ہیں جو نالے گنبد گردون گرداں سے

حقیقت جانتا ہوں میں حقیقت اسکی کیا سمجھوں
یہ دنیا کی گئی پیدا میرے خواب پریشاں سے

ہوا مقبولِ درگاہ صمد ہدیہ پیمبرؐ کا
شہادت نے شرف پایا ذبیح عید قرباں سے

کیا اس جذبۂ اُمت نے ایسا کام دنیا میں
نہ ہوگا دین پیغمبرؐ سبکدوش اُسکے احساں سے

تجلّی نے تری اے چادر تطہیر کے موتی
کیا ہے اکتساب نور خود انوار یزداں سے

فرشتے ہو گئے ہیں دم بخود اخلاق سے اُسکے
مگر انسان ہو نا کوئی سیکھے ایسے انساں سے

معاذ اللہ صبر شاہ بیکس کی کوئی حد نہ تھی
قیامت تک خموشی جا نہیں سکتی بیاباں سے

ہوا ہے بے کفن مدفون کس مقتول کا لاشہ
کفن بنکر ابھی تک گرد اُٹھتی ہے بیاباں سے

عزیز اُس کا لہو کیونکر نہ ہو غازہ رُخ دیں کا
ملا دی جس نے جنت کربلا کے گرم میداں سے



روضۂ حضرت عون بن علی (کربلا)







سرکار سعید الملت مولانا سید
محمد سعید صاحب مجتہد مدظلہ



جواہرات کا دروازہ (مشہد مقدس)

معیارِ وفا

(از جناب ذاکرؔ سیتاپوری)

اے زمینِ کربلا! اے امتحان گاہِ وفا — تیرا دامن مرکزِ تاریخِ عالم ہے بنا
چپہ چپہ پر جھلکتا ہے شجاعت کا لہو — ذرّے ذرّے سے ترے آتی ہے خونِ دل کی بو
سو رہی ہیں خاک پر تیری کچھ ایسی ہستیاں — جن کے اس شہرِ خموشاں پر تصدق بستیاں
جن کا ہر نقشِ قدم ہے جلوہ زارِ مہر و ماہ — منزلِ بیدار ہے جن کی زمین خواب گاہ
تیرے ویرانے میں جو بستی بسا کر سو گئے — اک عرب کیا ساری دنیا کو جگا کر سو گئے
داستانِ درد و غم جن کی ہے قرآنِ وفا — سرفروشانِ وفا، شانِ وفا، جانِ وفا
جن کی مظلومی کے افسانے ہیں عالم پر جلی — قافلہ سالار ہے جن کا حسینؑ ابنِ علیؑ
جس نے قرباں گاہ کو قربانیوں سے بھر دیا — دل لیا ہاتھوں کے اوپر اور نچھاور کر دیا
جوہرِ اصلِ شرف جس نے نمایاں کر دیا — آدمی کو آدمی، انساں کو انساں کر دیا
وہ سکونِ قلب کا جس کے عجب عنوان تھا — درد تھا سینے میں لیکن دل کو اطمینان تھا
امن اور اسلام کا ذاکرؔ یہی آہنگ ہے — مرحبا! اے حریت کی جان، سردارِ وفا

ظلم و استبداد سے انسانیت کی جنگ پر
تو نے قائم کر دیا دنیا میں معیارِ وفا

خداوندِ وفا

(جناب ذاکرؔ سیتاپوری)

ہمشانِ علیؑ سیفِ خدا ہیں عباسؑ — بازوئے شہِ کرب و بلا ہیں عباسؑ
پانی کیلئے جان تصدق کر دی — واللہ! "خداوندِ وفا" ہیں عباسؑ

"تبرک یا حصہ"

(از لسان الملت جناب مولانا سید آغا مہدی صاحب مدظلہ)

اساس مذہب شیعہ مجلس حسینؑ پر قائم ہے اور تحفظ دین و ملت کی تمام تر ذمہ داری عزاداری پر عائد ہے جو ہر سال ملت مصطفویہ میں ایک نئی روح پھونک دیتی ہے اور بالکل صحیح ہے کہ اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد مجلس چند اہل ایمان کے ایک جگہ جمع ہونے کا نام ہے اور اس کا کورم ایک ذاکر اور ایک سامع میں پورا ہوتا ہے اور اگر دو شخص بھی فراہم نہ ہوں اور خود اپنے دل میں حسینؑ کی یاد تازہ کرے تو بھی مجلس کا فائدہ حاصل ہے۔ پہلی مجلس کب ہوئی ہمیں اس کا علم نہیں تذکر کی ابتدا خود ذات اقدس الٰہی کی طرف سے ہوئی لسان قدرت نے بزم قدس کے حاضر باش ملائکہ کے سامنے ذکر کیا انبیاء کے دور و مصائب بیان کئے اسی مصیبت مظلوم پر اشکبار ہونے کا ثواب بیان کیا ہے حضرت ابراہیمؑ اگر فرزند کو ذبح کر ڈالتے تو جو اجر اُن کو حاصل ہوتا وہ حسینؑ سے اظہار ہمدردی میں عطا ہوا پیغمبر خدا صلعم سے بھی ثواب گریہ ارشاد ہوا ہے بارگاہ عصمت و طہارت سے ہم کو جو کچھ افادات ہوئے اُن میں کبھی تو یہ سُنا کہ:۔

"جو مجلس میں بیٹھ جائے جہاں کہ ہمارا ذکر زندہ کیا جا رہا ہو تو وہ زندہ دلوں میں محسوب ہو گا جبکہ تمام عالم کے دل مردہ ہونگے"

دل جسم کی مملکت میں حاکم کی حیثیت رکھتا ہے اور جب وہ زندہ ہے تو تمام اعضاء و جوارح پر فرحت و انبساط کی لہر دوڑ جائے گی یہ تو رونے والے کا صلہ تھا اب یہ دیکھو کہ وہ بروز قیامت کس گروہ میں ہو گا بیشمار مخلوق اولین و آخرین کے مجمع میں اُس کا تعلق کس طبقہ سے ہونا چاہیئے اس کو یہ کہکر بتایا کہ "جو مظلوم پر رویا اُس نے نبیؐ و فاطمہؑ پر احسان کیا" نتیجہ یہ ہوا کہ محسنین کے مجمع میں وہ کھڑا ہو گا اور وہ جب حبیب خدا کا محسن ہو چکا تو محبوب کو اپنے حبیب کے محسن کا جس حد پر خیال ہو گا اُس کو فلسفہ محبت کے ماہروں سے پوچھو احسان کا نتیجہ یہ ہے کہ وہ ہمیشہ ساتھ رہے اس امر کو امام رضاؑ نے واضح کر کے کہہ دیا "کَانَ مَعَنَا فِی دَرَجَتِنَا" وہ ہمارے درجہ میں ہو گا سچ ہے خادم و مخدوم ایک ہی مقام پر ہوتے ہیں روز قیامت کی سختی اور موقف حشر سے کامیاب گزرنے والے جس قدر خوش بخت ہوں گے اُس کا اندازہ وہ کر سکتے ہیں جو تپتی ہوئی زمین پر ہوں کوئی تا بزانو کوئی تا کمر اپنے پسینہ میں غرق ہو گا اور جسم کا عرق وہ سیلابی صورت اختیار کرے گا کہ باربرداری کا تھکا ہوا پیاسا اونٹ اگر اُس سے سیراب کیا جائے تو اُس کی تشنگی دور ہو سکتی ہے نجات کی منزل انسان کی آخری ترقی ہے لیکن یہ فرد ایک غیر محسوس شئے ہے یہ تو وہی قرض وعدہ ہے جو ہر نبی نے اپنی اُمت سے کیا اور سادہ لوح انسان اُن مقدس ہستیوں کا استہزا کرتے رہے۔

قرآن مجید نے مجاہدین راہ خدا کے تذکرہ میں ایک مقام پر فرمایا ہے "فَاٰتٰاہُم اللہ ثواب الدنیا وحسن ثواب الآخرۃ" وہ دین و دنیا دونوں میں ماجور و مثاب تھے اگر حسینؑ بن علیؑ کی یاد جہاد کے مماثل قرار نہ پائے تو اُن کی عظیم الشان شخصیت سلف صالحین سے گھٹ جاتی ہے قدرت کو یہ منظور ہوا کہ ذکر حسینؑ کے عوض میں دنیا میں بھی ایک مزد قرار پائے جو شریک غم ہونے والے صاحب عزا کی طرف سے حاصل کریں اس مزد (اجرت) کا نام حصہ ہے جو عوام و خواص دونوں کے لئے افادی حیثیت رکھتا ہے۔

حصہ کی سب سے پہلی بنیاد عہد رسالت میں قائم ہوئی یہ وہ وقت ہے کہ وانذر عشیرتک الاقربین نازل ہوا بعثت کو صرف تین برس گزرے تھے کہ آیہ مذکورہ نے نازل ہو کر حضرت ختمی مرتبت صلعم کی بارگاہ سے یہ تجویز پاس کی کہ خاندان کے دوست و

وہ شخص سب جمع ہوں اور اُن کی تالیف قلب کے لئے سامان ضیافت مہیا ہو تاکہ اُن کو آپنے میں دلچسپی ہو اور اس موقع کو وہ ہاتھ سے نہ دیں حضرت علی مرتضیٰ نے یہ انتظام اپنے ہاتھ سے کیا اور ایک دودھ کا کاسہ اور کچھ معمولی سامان خورد و نوش جو ایک پر خوراک آدمی کے لئے کافی تھا۔ چالیس آدمی مدعو ہوئے جن میں عباس اور ابولہب اپنے پرائے سب ہی تھے رسُول کا یہ محیر العقول اعجاز تھا کہ اس دسترخوان سے جب وہ ابتدا کر چکے تو سب نے سیر ہو کر کھایا اور کھانے میں کمی نہ ہوئی دسترخوان سے اُٹھکر بعض احسان فراموش بندوں نے سحر کی نسبت دی اور رسُول جو مقصد ان کے سامنے پیش کرنا چاہتے تھے اُس کو دل ہی میں لئے رہے اور دوسرے دن کی دعوت کا اعلان کیا آج پھر دسترخوان پر ہجوم تھا اور کھانے سے فارغ ہو کر کچھ کہنے نہ پائے تھے کہ مرسل نے اپنی مخصوص شیریں بیانی کے ساتھ ایک تقریر کی اور مجمع سے پوچھا کہ تم میں کوئی شخص ایسا بھی ہے جو میری قائم مقامی اور وزارت کا بیڑا اُٹھائے۔ حاضرین خاموش تھے اور اس مجمع میں سب سے زیادہ تو عمر علی مرتضیٰ تھے جن کے شباب کا آغاز تھا اُنھوں نے نہایت خلوص سے اپنے خدمات پیش کئے۔ پیغمبرؐ نے اُن کو مصلحت بٹھا کر پھر وہی مطالبہ کیا اور سب چپکے بیٹھے رہے علیؑ ایکی مرتبہ بھی اُٹھے اور مرسل نے اُن کو اشارہ کیا کہ خاموش رہیں اور تیسری مرتبہ انتخاب وزارت کی خواہش پھر فرمائی۔ درحقیقت یہ سہرا علیؑ کے سر رہنے والا تھا اور کسی کے بخت نے یاوری نہ کی جو آگے بڑھتا کھانے کی فکر تو ہر دماغ میں تھی مگر اس عمل پر قوت ارادی پر پہرہ بیٹھا ہوا تھا اور زبان میں گویائی کی قوت نہ تھی کاش علی کے جواس سے کسی کے دل و دماغ میں ضرورت محسوس ہوتی مگر بخت خوابیدہ نے کسی طرح کروٹ نہ بدلی حتیٰ کہ تیسری بار علیؑ کا انتخاب ہو گیا۔

بیعت عشیرہ کو تقریباً تمام مورخین نے موضوع بحث قرار دیا ہے اور سب کا اتفاق ہے کہ اُس وقت حضرت علیؑ منتخب ہوئے اور جب سے وہ نظروں پر ایسا چڑھ گئے تھے کہ ابوطالبؑ بھی اس مجمع میں تھے اُن پر کسی مخالف نے طعن کیا اور طنزیہ لہجہ میں کہا کہ آج سے اپنے صاحبزادہ کی اطاعت کرنا ہوگی پیغمبرؐ نے تو مجمع پر حاکم بنا ہی دیا۔

اربابِ عقل و دماغ جانتے ہیں کہ یہ مجمع صرف کھانے کی لالچ میں آیا ورنہ جس شخص کو وہ رسُول نہ سمجھتے ہوں اس کی آواز پر لبیک کہنا کہاں ممکن تھا اس کھانے کا یہ اثر تو نہیں ہوا کہ کوئی راہ راست پر آجاتا مگر علیؑ کی نیت پر دسترخوان نے دشمن کو گواہ بنایا اور پیغمبرؐ نے دسترخوان سے یہ فائدہ اُٹھایا کہ وہ اس انتخاب پر آگاہ ہو گئے جس طرح قرآن مجید اجمالی اشارے کرتا ہے اسی طرح آقائے دوجہاں نے بھی اپنی زندگی میں مختصر سے مختصر انداز سے ہدایت کے پہلو دکھائے اور تفصیلات کا کام کو حق دیا۔ یہ بزم رسُول کی حالت اور آپ کا اسوۂ حسنہ تھا رزم میں بھی مال غنیمت کی تقسیم کا وعدہ اپنے نقطۂ نگاہ سے تھا کہ جو لوگ جہاد کو خالص اسلامی فریضہ سمجھ کر واجب العمل نہیں سمجھتے وہ مال غنیمت کی لالچ میں آئیں اور کم از کم لشکر اسلام کا سواد بڑھے اعمال میں قبولیت کا معیار حسن نیت ہے اور جو لوگ فی سبیل اللہ جہاد کرتے تھے وہ بھی مال غنیمت کے حقدار تھے اور جو ذاتی منافع میں جہاد کرتے تھے وہ بھی فائدہ اٹھانے پر تیار رہتے۔

بعینہٖ یہی نبوی مقصد مجلس میں بھی مضمر ہے کہ جو مجلس کو مظلوم کی صفِ ماتم سمجھ کر قدم رکھے وہ اور جو ذاتی فائدہ حصہ کے لئے آنا چاہے وہ دونوں نفع یاب ہوں اور حصہ ہی اگر کسی غیر کو لے آئے اور اُس کے کان تک مظلومیت کا تذکرہ پہونچا دے اور دل میں ہمدردی پیدا ہو جائے تو مقصد حُسینی حاصل ہے میرا دعویٰ ہے کہ بیعت عشیرہ نے مجالس میں حصہ کی تقسیم کا سبق دیا یہ تو عمومی تعلیم ہے رسُول کی۔

اہل مصیبت کو کھانا بھیجنا پیغمبر خدا کا خاص شیوہ ہے

فطرت کا تقاضہ ہے کہ جس کا کوئی عزیز قریب دنیا سے اُٹھ جائے وہ اگر زیادہ نہیں تو کم از کم کھانے کے پہلے وقت تک مرنے والے کو نہیں بھولتا اور غم اُس کو اجازت نہیں دیتا کہ وہ خورد و نوش کی فکر میں پڑے اسلام مذہب فطرت ہے اور ہر درد رسیدہ کو مدد پہونچانا ملت جعفری کا وہ آئین ہے جس کو کبھی نظر انداز نہیں کیا گیا رسُول کے چچازاد بھائی جعفر طیارؑ جنھیں کے بھیجے ہوئے میدان جہاد میں لڑ بھڑ کر کام آجاتے ہیں اور جب مدینہ رسُول میں اُن کی شہادت کی خبر پہونچتی ہے تو آپ جعفر طیار کے عیال کے پاس

کھانا بھجواتے ہیں۔ شیخ ولی الدین محمد بن عبداللہ خطیب تبریزی جو ائمہ اہلسنت میں ہیں رقمطراز ہیں:۔

لما جاء نعی جعفر قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم اصنعوا لآل جعفر طعاماً فقد اتاہم ما یشغلہم رواہ الترمذی وابو داؤد وابن ماجہ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۹۹)

اگر رسول نے بھائی کے پسماندگان کو آب و طعام بھیجکر مدد پہونچائی تو عزائے حسینؑ میں تقسیم حصہ کا فلسفہ نبوی تعلیم معلوم ہوتا ہے اور شہیدوں کی حاضری پر عمل رسول سے مہر تصدیق ثبت ہوتی ہے گریہ زاری کرنے والے ضرور مستحق ہیں کہ اُن کو مدد پہونچاؤ تاکہ وہ دل کھول کر رو سکیں اور سامان خورد و نوش کی مصروفیت گریہ میں سد راہ نہ ہو۔

امام رضا علیہ السلام کی مجلس اور حصہ کی تقسیم معصومؑ کے ہاتھ سے

آجکل کے بعض محدود خیال اصحاب سمجھتے ہیں کہ واقعہ کربلا میں جو کچھ ہم کو معلوم ہو گیا بس وہی قرآن و حدیث ہے اور آئندہ باب مصیبت مسدود اور انکشافات کے دروازے بند ہیں اُن کا سرمایہ علمی مقتل ابو مخنف بحار الانوار و عوالم یا پھر طبری ایسے نامنہاد مورخ کی تحریروں میں منحصر ہے جس نے سب سے پہلے واقعہ کربلا میں پیاسوں کے خیام فلک احتشام میں پانی کا غلط طور پر پتہ دے کر حسینیت کو ختم کر دینا چاہا تھا مگر خدا کا شکر کہ ابو جریر کی آرزو پوری نہ ہوئی اور کم و بیش ایک ہزار سال کے بعد سہی کی حقیقت کھلی واقعہ کربلا اس قدر وسیع موضوع ہے جس پر ہر صدی میں قلم فرسائی ہوئی اور ناچیز نے اس وقت تک جو نام مقاتل کے دریافت کئے ہیں اُن کی تعداد ۸ سو تک پہونچتی ہے اگر ان کتابوں سے کوئی مضمون پیش کر دیا جاتا ہے تو لوگ ناک بھوں چڑھاتے ہیں یہ بھی امام حسینؑ کی مظلومیت ہے کہ اُن کے دوست بھی اُن کے مختصات باور نہیں کرتے امام رضا کی مجلس جسمیں دعبل خزاعی نے مرثیہ پڑھا اور اس بزم غم کا تذکرہ تاریخی حیثیت رکھتا ہے اس مجلس کا حال غیر شیعہ اہل قلم نے یوں بیان کیا ہے۔

اس میں شک نہیں ہے کہ رسم ماتم یوم عاشورہ کے موجد سب سے پہلے امیر مختار ثقفی ہیں جنھوں نے غالباً اپنے عہد امارت میں اس کی بنیاد قائم کی اور انکا زمانہ سنہ ۶۶ھ یا سنہ ۶۷ھ میں تھا پھر سنہ ۲۰۰ھ میں حضرت امام رضا نے اپنے زمانہ میں مجلس کی بنا شروع کی ایک مرتبہ دعبل خزاعی سے فرمایا کہ مصائب کربلا کے متعلق کچھ اشعار پڑھنا چاہیئے دعبل خزاعی نے حسب فرمائش امامؑ کچھ اشعار موزوں کر کے پڑھے بعد اختتام کے آپ نے حضار مجلس کو زرمے تقسیم فرمائے تھے اور پڑھنے والے کو دوہرا حصہ عطا فرمایا تھا (تعزیت حسن ص ۳ سطر ۲ لغایت ۷ مولفہ محمد عبد اللطیف رحمانی خالص پوری مطبوعہ تیغ بہادر لکھنؤ سنہ ۱۹۱۳ء) اس اقتباس سے ثابت ہوا کہ حصہ کا وجود عہد امام میں بھی تھا اور اس محل پر ذاکر کو سامعین سے امام نے بھی ممتاز کیا۔

دفع دخل

فاضل مولف نے رسم ماتم کی تاسیس عہد مختار سے بتائی ہے یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جو مستقل موضوع کی حیثیت رکھتا ہے اور شرح و بسط کے ساتھ قلم اٹھانے کے لائق ہے مولف خالص پوری اس کو مختار کا اقدام بتاتے ہیں اور ان سے پہلے کے اسلامی مولف نے اولیت کا پتہ حسب ذیل الفاظ میں دیا ہے۔

امام زین العابدینؑ نے کربلا میں جمیع سامان عزا برپا کیا اور جب مدینہ میں آئے تو ایک گوشہ خانہ میں سترہ نشان قبروں کے بنائے اور ہر ایک شہدار اہل بیتؑ کو نام بنام نوحہ وزاری مع زنان بنی ہاشم سیاہ پوش ماتمدار ہوئے (اعتقاد الاخوین)

نوٹ:۔ اول الذکر کتاب میرے پاس موجود ہے اور دوسری کتاب کتبخانہ جداعلیٰ میں ملاحظہ کی۔

حصہ کا فلسفہ

آمدم برسر مطلب میں موضوع سے ہٹ گیا تھا حصہ کی دو صورتیں ہیں مجلس سے پہلے اور مجلس کے بعد ان دونوں صورتوں کا ثبوت پیغمبر خداؐ کی قابل تقلید زندگی میں موجود ہے بعیت عشیرہ میں حصہ قبل مجلس کا درس ہے اور جہاد میں تقسیم مال غنیمت کا وقت حصہ بعد مجلس کی تعلیم ہے حصہ کی ضرورت ہم کو اسلئے محسوس ہوئی (۱) حصہ فلسفہ تعاون کی ایک عملی صورت ہے اور اس سے بہتر کوئی طریقہ کار نہیں ہے کہ بنی نوع انسان کو ایک دوسرا مدد پہونچائے قرآن مجید اس مقصد پر اپنی آیت میں دعوت دیتا ہے۔ تعاونوا علی البر والتقویٰ ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان یعنی نیکی اور پرہیزگاری میں ایک دوسرے کا ہاتھ بٹاؤ۔ معصومؑ فرماتے ہیں کہ شب قدر ملائکہ زمین پر اُتر کے اہل ایمان کے اطعام (ایک دوسرے کے کھانا کھلانے کو) بڑی استحسان کی نگاہ سے دیکھتے

ہیں کیونکہ یہ منظر آسمان پر (عالم روحانیین میں) ہے۔ مجلس کو بھی یہ شرف ہے کہ وہ فرشتوں کی فرودگاہ ہے لہٰذا ملائکہ کی نگاہ میں یہ عمل بھی نہایت جمیل معلوم ہوتا ہے

(۲) غیر شیعہ جن کو ہم سے منافرت ہے وہ اگر ہماری پرخلوص دعوت پر آنا گناہ سمجھتے ہوں تو حصہ وہ ذریعہ ہے کہ جس کے لئے آتے ہیں اُن کے شریک مجلس ہونے میں ممکن ہے کہ کسی نشست میں اُن کے قلب پر ایمان کی ضیا باری اثر کر جائے۔

(۳) اطفال ... سال کو مجلس تک لانے کا بھی وہ ذریعہ ہے جس سے اُن کا مستقبل سنہرا ہوتا ہے اور وہ واقعہ کربلا سے باخبر ہوتے ہیں۔

مجلس سے پہلے حصہ کی تقسیم میں حکمت یہ ہے کہ حصہ سے غیر مطمئن طبقہ کو وقتی مدد ہو تاکہ سکون خاطر کے ساتھ مجلس سننے کا موقع دیا جاتا ہے اور حصہ بعد مجلس میں حکمت یہ ہے کہ جب طرح جہاد میں مال غنیمت جنگ سر ہونے کے بعد تقسیم ہوتا ہے اسی طرح مجلس ... کو ختم کرنے کے بعد اٹھنے میں حکمت یہ ہے کہ اگر کوئی تنگ خیال مجلس سے شریک ہوئے بغیر اٹھ جائے تو اس کو حصہ کا خیال روکے رہے ... ہے کہ اس عرصہ میں کوئی کلمہ خیر واعظ کا اُس کی کسی غلط فہمی کو دور کر کے صراط مستقیم پر لے آئے۔

دوسری حکمت یہ ہے کہ اگر وہ حصہ منقول ہے تو اپنے عیال تک لیجا سکتا ہے اور اس کی افادیت ذات سامع سے تجاوز کر کے آگے بڑھتی ہے اور پیغمبرؐ کی اُس حدیث پر عمل بھی ہوتا ہے جس میں فرمایا ہے کہ جب گھر پہونچو تو عیال کے لئے کچھ لیکر جاؤ اگرچہ ایک پتھر ہی کیوں نہ ہو (مکارم الاخلاق طبرسی) حصہ اس استحباب کو بھی پورا کرتا ہے۔

فائدہ جلیلہ

مذہب اسلام وہ مکمل مذہب ہے جس نے انسان کی معاشرتی زندگی کے وہ حدود مقرر کئے ہیں جو دنیا کے کسی مذہب میں نہیں نظر آتے آج عورت کی آزادی اور حقوق نسواں کا چار دانگ عالم میں مطالبہ ہے لیکن بیخبر دنیا کو نہیں معلوم کہ اسلام نے عورت کو کتنا معزز اور محترم قرار دیا ہے اس محل پر مجھے نبوی حدیث بھی پیش کرنا ہے جبکہ انسان گھر میں کچھ لیکر داخل ہو تو اسلامی آئین ہے فلیبدأ بالاناث قبل الذکور (مکارم الاخلاق طبرسی) باپ لڑکوں کے پہلے لڑکیوں کو دینے سے ابتدا کرے وہ اسلام جو باپ سے اُسکی زندگی میں دختر کا حق دلواتا ہے ناممکن ہے کہ مرنے کے بعد لڑکی کو ورثہ

سے محروم کر دے۔

دوہرا حصہ

ذاکر کا دوہرا حصہ ہے اس لئے کہ اُس کے خدمات زیادہ ہیں اور ذاکر و سامع میں ویسا ہی فرق ہے جیسا کہ سوار اور پیادے میں، دوہرے حصہ کی تعلیم بھی سب سے پہلے پیغمبر اکرمؐ ہی سے حاصل ہوئی ہے علامہ زمخشری ------- کا بیان ہے کہ پیغمبرؐ خدا جب کسی جنگ میں مال غنیمت تقسیم فرما رہے تھے تو تمام مسلمانوں کو ایک ایک حصہ دیا اور حضرت علیؑ کو دو حصے عطا فرمائے زائدہ بن اکوع نے اعتراض کیا اور کھڑے ہو کر کہا کہ یہ آپ نے وحی کے حکم سے کیا یا اپنے دل سے پیغمبرؐ نے فرمایا کہ میں تم کو قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ تم نے دست راست کے ... میں ایک شخص کو سبز عمامہ باندھے دیکھا ہے جس کے کاندھوں پر سے گزرے ہوئے گیسو لٹک رہے تھے اور ہاتھ میں حربہ لئے تھا اور کفار کے میمنہ و میسرہ کو اپنے حملہ سے پراگندہ کر رہا تھا مسلمانوں نے کہا کہ بیشک ہم نے دیکھا تھا قال ہو جبرئیل قال لی ان ادفع سہمہ لعلیؑ فرمایا وہی تو جبرئیل امین تھے مجھ سے کہہ گئے کہ اُن کا حصہ علیؑ کو دیدوں زائدہ نے حبذا کہہ کر حضرت علیؑ کو مبارکباد دی اب معلوم ہوا کہ ذاکر کے دوہرے حصہ کی بنیاد یہاں سے قائم ہوئی ہے چونکہ مجلس میں بھی ملائکہ آتے ہیں اور بانی مجلس اُن تک حصہ پہنچا نہیں سکتا اور نہ وہ مادی جسم رکھتے ہیں جو ہمارے حصہ کی ضرورت ہو اس لئے ذاکر کو جو حصہ ملتا ہے وہ دراصل ... ہے۔

اس مختصر بیان کے بعد میں افراد قوم کو مطلع کرتا ہوں کہ حصہ ... اگر کسی نادار کے پاس حصہ کا سامان نہ ہو تو غریب پرور حسینؑ نے اپنے دوستوں ... نہ تو کسی چندہ کی اپیل کی ہے نہ وہ اسکے محتاج تھے کہ تم اُنکی کوئی یادگار ... وہ بھی جسطرح غریب سے غریب اور محتاج سے محتاج انسان سفر میں ہو یا حضر میں تنہا ہو یا بھیڑ میں تندرست ہو یا مریض عورت ہو یا مرد ... ہو یا ... دار ہو یا ... سب پورا کرسکتے ہیں وہ صرف یہ چاہتے ہیں کہ جب ٹھنڈا پانی پیو تو میری پیاس ضرور یاد کرو زندگی میں اپنے جانشین اور خلف سید سجادؑ سے پیام دیا اور شہادت کے بعد جب بتیمہ ختر لاش پر آئی اُسوقت بھی یہی فرمایا کہ شیعتی ما ان شربتم ماء عذب فاذکرونی جسکو حصہ کا امکان نہ ہو وہ پانی تقسیم کرے مجلس کی افادیت محفوظ رہیگی — عزاداران حسینؑ تبرک کی تقسیم میں کافی احتیاط سے کام لیں غیر مسلم کی مرطوب اشیا تقسیم کرنیکی جرأت نہ کریں کفار سے اجتناب اور انکی نجاست میں جو راز ہے اسکو تو خدا ہی جانے اقتصادی مصلحت تو ظاہر ہے کہ اگر غیر مسلم سے تجارتی تعلق قطع کر دینگے تو اپنی تجارت کو فروغ ہوگا اور ہماری جیب کا پیسہ دوسری قوم ...

فرات کا بادشاہ

(از جناب مولانا سید عباس علی صاحب رضوی، وفا ملکپوری)

سقائے اہلبیتؑ محبت کا ناخدا ! — روحِ ثبات، جانِ شجاعت، دلِ وفا
زینبؑ کی آس، پیاسی سکینہ کا آسرا — کلثومؑ کی طرف سے جو خود فدیہ بن گیا !
وہ نورِ عین فاتحِ بدر و حنین کا — زہراؑ کی جان، قوتِ بازو حسینؑ کا

اک وقت میں جری کو یہ عہدے ملے بہم — سرداریٔ سپاہ تو سقائیٔ حرم
پایا ہے کس شہید نے یہ جاہ یہ حشم — رہتا ہے ساتھ تعزیوں کے آج بھی علم !
اب بھی نشانِ حق میں وہی آن بان ہے — عباسؑ کی ظفر کا یہ پہلا نشان ہے

لشکر میں پیش پیش علمدار کی طرح — میداں کا رخ کئے ہوئے کرار کی طرح
حملہ کا شوق حیدرِ کرار کی طرح — عزمِ جہاد جعفرِ طیار کی طرح
پاکر نشانِ فوج علمدار ہو گئے — شانے کٹا کے جعفرِ طیار ہو گئے

ہاشم کا چاند، مہرِ درخشانِ کربلا — نورِ فرات، نیّرِ تابانِ کربلا
سردارِ فوج، فاتحِ میدانِ کربلا — جانِ عراق، جانِ عرب، جانِ کربلا
عہدِ وفا کی روح دھنی اپنی بات کا — ہے بادشاہ آج بھی نہرِ فرات کا

ام البنین کا چاند، ستارا حسینؑ کا — اہلِ حرم کی آس، سہارا حسینؑ کا
حیدر کا نورِ عین، دلارا حسینؑ کا — ٹھنڈک دلِ بتول کی، پیارا حسینؑ کا

دل سے نثارِ فاطمہؑ کے ماہ پر ہوا
کلثومؑ کی طرف سے فدا شاہ پر ہوا

مظلوم وبیکس کی قوت ارادی

اسوۂ حسینی نے زندگی کے کس ضروری شعبہ میں انسان کی دستگیری نہیں فرمائی

(از قلم عالی جناب خطیب الواعظین مولانا محمد تقی صاحب مجتہد سہارنپوری)

ناظرین کرام! میں مطلب شروع کرنے سے قبل دو چیزوں کو بطور نوٹ کہہ دینا مناسب سمجھتا ہوں تاکہ ہمارے بچے بھی اس بیان سے کافی فائدہ اُٹھا سکیں۔

(۱) عصر حاضر میں فلسفہ قدیم سال خوردہ اشیاء کی مانند درخور التفات نہ رہا۔ اب عہد حاضر کے انکشافات کا دور دورہ ہے لہذا حکمت جدید کی روشنی میں جو کچھ نظر آئے قابل توجہ سمجھا جاتا ہے مگر حسینی فلسفہ حکمت نو کے لئے اتنا ہی دلکش ہے جتنا پہلے اہل دماغ کے لئے تھا ذیل کے الفاظ اس خیال کو پیش نظر رکھتے ہوئے مطالعہ فرمائیں۔

(۲) مثال نے انسان کو کیا کیا فائدے پہونچائے اور انسانیت کی ترقی میں کتنا سہارا لگایا اور عملی دنیا میں اس کی بدولت کتنی چہل پہل ہے۔ غالباً کسی نظر سے اُجھل نہیں۔ وہ مثال ہی ہے جو شوق عمل کو بیدار کرکے ذوق میں اضافہ پیدا کرتی ہے اتنا تو ہر مثال میں دم ہے لیکن ایک مکمل مثال ذہنیت کو بدل سکتی ہے۔ زمانہ کی رفتار کا رُخ پھیر سکتی ہے۔ ایک انقلاب عظیم رونما کر سکتی ہے میرے مظلوم امام نے کیا کیا؟ حقیقت میں عالم عمل میں ایک بے نظیر مثال قائم کی ہے جو طالبان ترقی اور نجات کو ہمیشہ ہمیشہ ایک منزل مقصود کی طرف راہبری کرتی رہے گی۔

دوسرے الفاظ میں اتنا پھر کہلوں، مثال کیا کرتی ہے۔ خوابیدہ قوتوں کو بیدار کرتی ہے، بیدار قوتوں کو پاکیزہ مشاغل میں مصروف کرتی ہے اور کاروبار میں منہمک قوت کو اور ترقی دیتی ہے غرض یہ بہترین واعظ ہے، محبوب ناصح ہے، سچا شفیق ہے، کامیاب مصلح اور مہربان مربی ہے، ہاں مثال قائم کرنے والے کی حیثیت کے مطابق اثر میں تنوع ضرور رونما ہو جاتا ہے اور یہ حقیقت بھی ناقابل انکار ہے کہ اس مثال کے دیکھنے والے کی حالت کو بھی اثر کے اختلاف سے گہرا لگاؤ ہے مثلاً ایک بھرے مجمع میں کسی ایک بچہ کا کوئی کارنامہ بیان کیا جائے تو اس کا اثر تمام حاضرین پر یکساں نہ ہوگا بلکہ بوڑھوں پر جو اثر ہوگا وہ اس سے مختلف ہوگا جو جوانوں پر ہوگا۔ اور ان پر جو اثر ہوگا وہ بوڑھوں کے اثر سے کچھ نہ کچھ بدلا ہوا ہوگا۔

اگر مثال قائم کرنے والا ہر حیثیت سے ہم سے اعظم ہے تو ہمیں ایک ولولہ سا پیدا ہوگا۔ اگر مثال برابر کی ہے تو کافی شوق انگیز ہوگی اگر مثال ہم سے کمتر نے قائم کی تو اس کا اثر شوق مع اندامنہ ہوگا اب حسینی تدبر پر ایک نظر ڈالئے۔ حضرت نے جو مثال قائم کی وہ مفرد نہ تھی، مرکب تھی اس میں عورت، مرد، جوان، بوڑھے، بچے، بچیاں تندرست، بیمار، غلام، آزاد سب ہی کو شریک کر لیا تاکہ اسی ایک مثال میں ہر ایک کے لئے تمام اقسام کے اثرات پیدا ہو جائیں، اور قیامت تک آنے والی نسلیں اس سے فائدہ اٹھاتی رہیں۔

(آمدم برسر مطلب)

ذاتی نشو و ارتقا جس کی تمنا ہر دل میں پائی جاتی ہے لیکن افسوس ہے اس کے حصول کے طریقے سے عموماً چشم پوشی کے ساتھ کام لیا جاتا ہے موجودہ اہل علم اس نظریہ کو انیسویں صدی کے برکات سے جانتے ہیں اور اس کے ظہور میں آنے سے تعلیمی دنیا میں انقلاب عظیم کے قائل ہیں ان کا دعویٰ ہے کہ انیسویں صدی کے قبل یہ نظریہ قائم نہ تھا۔ ذاتی

نشوو ارتقا کے لئے مندرجہ ذیل امور اس کے ایسے لوازم ہیں جن کے بغیر ارتقا ممکن نہیں۔

(۱) مضبوط زبردست آرزو

(۲) مضبوط قوت ارادی

(۳) ذہانت

یہ وہ چیزیں ہیں جو عمارت ارتقا کی تعمیر و تخمیر میں صرف ہوتی ہیں بغیر ان کے ترقی وہ بھی بسرعت ناممکن ہے اور اگر کسی کو یہ ... چیزیں حاصل ہوگئیں تو پھر کوئی چیز قابو سے باہر نہیں جا سکتی

بیشک ترقی کے یہی اجزا ہیں (بقول ماہرین علوم جدیدہ بتفصیل آج معلوم ہوئی) لیکن داد دیجئے اسلام کو جس نے صدیوں بعد ذہن میں سمانے والی چیزوں کو ہم کو پہلی ہی صدی میں سکھا دیا۔ یہ فخر صرف اسلام کو حاصل ہے جس کے معصوم رہبر ... نگاہیں بہت صفائی سے آنے والے زمانہ کی سیر کر رہی تھیں امام حسینؑ کے اس اقدام میں ترقی نجات ہدایت فلاح کے تمام عناصر ایک ایک کر کے موجود ہیں امام نے ابتدائے سفر عراق سے عصر عاشور تک متعدد مرتبہ تا قیامت آنے والی نسلوں سے خطاب فرمایا ہے۔

اس توجہ دہانی کی سب سے بڑی غرض تعلیم تھی یعنی جو کچھ میں نے کیا ہے اس کو غور سے دیکھنا تاکہ تم فائدہ اٹھا سکو اور مدارج کی ترقی کو نہایت آسانی سے بغیر لغزش کے طے کر سکو ابھی ابھی کہا جا چکا ہے کہ ارتقا کی بنیادیں جن چیزوں پر قائم ہیں وہ بلند آرزو مضبوط قوت ارادی اور ذہانت ہیں۔

اب مثال کے طور پر امام حسینؑ کے واقعات پر غور کیجئے۔ اس سے زیادہ بلند آرزو اور کونسی ہوگی جس کو حسینؑ لیکر میدان میں آئے تھے یہ وہی آرزو ہے جو ان کے نانا کی ضمیر کا جوہر ہے اسے خدا بہتر جانتا ہے کہ حسینؑ کب سے اس آرزو کو کلیجہ سے لگائے تھے۔ اس آرزو کے ضمن میں حسینؑ کا حسن تدبر اور ان کی پاکیزہ تدابیر پر اگر ہماری گہری نظر پڑ گئی تو مقصد حیات کا سمجھ لینا بالکل آسان ہو جائے گا۔ بنی نوع کی بہبودی کے لئے جو فرائض ہم پر عائد ہیں ان کا احساس ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا جہاں تک پہنچ کر روحانی عرفان کی بارش ہوگی اور بلند ترین زندگی حاصل ہو جائے گی۔

ذہانت:- بلاشبہ بغیر ذہانت اور ذکاوت ترقی یقینی ہے ؟ -

امام حسینؑ کے اس کارنامے میں ذہانت کے جو جواہرات صرف ہوئے ہیں اس کا اندازہ اسی سے لگا لیجئے کہ امام نے اس سلسلے میں جو کچھ کیا وہ ایسا تھا کہ آج زمانہ اس دماغی ترقی پر فائز ہو کے جب حسینؑ کے پروگرام پر نظر ڈالتا ہے تو غور اور انتہائی غور و فکر کے بعد اس یقینی نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ بہترین نتیجہ برآمد ہونے کے لئے اس رویہ کے علاوہ ایسی کامیاب کوئی صورت ممکن ہی نہیں اسی چیز نے اہل قلم سے دفتر کے دفتر تصنیف کروائے (جو کتب خانوں میں بڑی حفاظت سے رکھے ہوئے ہیں) یہ وہ مرکز عجیب ہے جس نے ہر ملک و ملت کے مفکرین کو باوجود اختلاف عقائد اپنی طرف کھینچ لیا ہے کسی مذہب کا کوئی سنجیدہ مصنف ایسا نہیں جس نے حسینؑ کے تدبر کو نہ سراہا ہو۔ آج ہی نہیں زمانہ کے ہر دور میں اس بحث پر قلم مصروف کار رہا۔ اتنی مشغولیت اور اتنی گردش اور اس کد و کاوش کے بعد بھی جب کسی کا قلم رکتا ہے تو یہی کہہ کر رکتا ہے ۵

دفتر تمام گشت بپایاں رسید عمر ۔ ما ہمچناں با دل وصف تو ماندہ ایم

کیا اب بھی وثوق سے اہل دل نہ کہیں گے ۶

واللہ کہ اسے حسینؑ کا حصہ کر دی

مضبوط قوت ارادی:- ارتقا کے لوازم سہ گانہ سے ایک لازم مضبوط قوت ارادی بھی ہے فی الحال جس کے متعلق ذرا کچھ تفصیل سے کہنا ہے کامیاب زندگی اور باعزت بسر اوقات صرف اسی شخص کا حصہ ہے جو ناقابل تسخیر اور نہ مغلوب ہونے والی قوت ارادی کا مالک جو نہ طاقت جانتی ہو نہ مدافعت۔ ایسی قوت ارادی جب سرگرم عمل ہو جاتی ہے تو تمام رکاوٹیں اسی کے سامنے سے خس و خاشاک کی طرح بہہ جاتی ہیں اس قوت کے حریف بہت ہیں جن سے اس کو تنہا مقابلہ کرنا اور برسرپیکار رہنا پڑتا ہے (اس کے مقابل داخلی بھی ہیں اور خارجی بھی) اس کے داخلی دشمن انسان کی ... رنگ برنگ خواہشیں ہیں جن سے اس کی مسلسل جنگ رہتی ہے جس شخص کی قوت ارادی خواہشات کے دباؤ سے مرعوب ہو جاتی ہے اس کے لئے باطنی طاقتوں کے نشوو ارتقا کا کوئی امکان نہیں رہتا۔ ایسا شخص دنیا میں تقریباً ہر چیز کا غلام بن جاتا ہے عقل کی نگاہوں میں اس کا

وجود بمقابلہ عدم زیادہ خطرناک ہے۔ لیکن وہ انسان جس کی قوت ارادی صرف عقل کی دست نگر ہے۔ اس کے علاوہ کسی چیز کی ہیبت کا اس پر کوئی اثر نہیں۔ وہ انکار دماغ سے دل لگاتی ہے نہ کسی کی دھمکی میں آتی ہے۔ وہ خواہشات نفسانی کی ہم آہنگ نہیں ہوتی بلکہ ان کو اپنا ہمنوا بنالیتی ہے۔ ایسا شخص کائنات کا حکمراں بن جاتا ہے جس کی قوت ارادی میں یہ اوصاف ہوں۔

لہٰذا اگر انسان مقصد حیات کا خواہاں ہے تو اس کا اہم اور اولین فریضہ یہ ہے کہ وہ اپنی قوت ارادی کا جائزہ لے اگر اس میں کوئی کمزوری ہو تو وہ اس کو دور کرے۔ قوت ارادی کیا کام آسکتی ہے؟ اس کے متعلق دور جدید کا ایک مفکر "لکاکس" لکھتا ہے:۔

"انسانی قوت ارادی جو ایک مخفی طاقت اور غیر فانی روح کی اولاد ہے اپنا راستہ فولادی دیواروں میں پیدا کر لیتی ہے...... صبر سے کام لو دیر سے گھبراؤ نہیں بلکہ اس شخص کی طرح جو خوب سوچ سمجھ کر قدم اٹھاتا ہو تم بھی منتظر رہو جب روح حکمرانی کی بلندیوں پر پہونچتی ہے اور احکام دیتی ہے تو کارکنان قضا و قدر کی گردنیں اس کے آگے جھک جاتی ہیں"۔ یہ تھے ولکاکس کے پُرجوش الفاظ قوت ارادی کی مدح میں۔

فی الحقیقت واقعی ترقی قوت ارادی کی مضبوطی کے بغیر ناممکن ہے۔ جس نے عروج پایا اس کے سہارے سے۔ اور جس قوم نے پستی کا منھ دیکھا اس کی کمزوری کی باعث دیکھا۔ ذاتی، منزلی، قومی، ملکی ہر قسم کی زندگی کے سنورنے میں اس کی ضرورت ہوتی ہے۔

اسی قوت کی بدولت ناقابل عمل چیزوں کا ترک اور لائق عمل چیزوں کا فعل آسان ہو جاتا ہے۔ اسی ذریعے سے اس کی کمزوری اور طاقتوری کی آزمائش بھی ہوتی ہے اور روزمرہ کی زندگی میں اسی ترک و عمل سے اس قوت میں طاقت پیدا ہوتی ہے۔ اس حقیقت کے آشکار ہونے سے شریعت کے امر و نہی کی قدر و منزلت اور اس کا راز معلوم ہو جاتا ہے۔ یعنی اس ذریعہ سے مشق کرائی جاتی ہے تاکہ اس قوت کی کمزوریاں دور ہو جائیں اور ہم اس کا پورا پورا فائدہ اٹھا سکیں۔ جب یہ قوت شباب پر آجاتی ہے پھر اس کے برکات کی فراوانی ہو جاتی ہے اور اپنے اوپر انسان کو ہر طرح کی قدرت حاصل ہو جاتی ہے۔ الفاظ میں دم، افعال میں جان اپنے اوپر اعتماد، غیر کی نظر میں اعتبار۔ غرض اس قسم کی بہت سی خوبیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ اب نفسانی چمن میں خزاں ہوتی ہے اور عقل کا سکہ ہر طرف جاری ہوتا ہے۔ اسکی ناتوانی سے ہی دین دنیا کی مصیبتیں پڑتی ہیں مثلاً آجکل جاڑے کا موسم ہے، صبح کا وقت ہے، سرد ہوا چل رہی ہے، وہ نئے لحاف کی خوشگوار گرمی، اسکی بدولت وہ جسمانی راحت۔ دل کہتا ہے پڑے رہو ہرگز نہ اٹھو۔

عقل و بندگی کا تقاضہ ہے کہ وقت ہاتھ سے نہ دو۔ موقع کو غنیمت جانو۔ اٹھو اور اپنے پروردگار کا دوگانہ خلوص سے ادا کرو، پھر اہل و عیال کی پرورش کے ضروری سامان فراہم کرنے میں لگ جاؤ۔ اگر قوت ارادی ناتوان ہوگی تو دلی خواہش پوری ہوگی جو ہر طرح سے اسکی تباہی کا پیش خیمہ ہے اور قوت ارادی اس تمنائے فاسدہ کے مقابلے سے خوفزدہ ہوکر گوشہ گیری سے مانوس ہوگی۔ اور اگر یہ مخفی قوت مضمحل نہ ہوگی تو اس بربادکن خواہش کو شکست فاش دے کر انسانیت کو چار چاند لگا دے گی۔ تا اینکہ اس کو بام ترقی کے آخری اوج پر پہونچا دے۔ امام حسینؑ نے قوت ارادی کے کمال کا مظاہرہ فرمایا اور دنیاوی حیثیت سے پیدا ہونے والی خواہشات پر گرانقدر تصرف فرما کے دنیا کے لئے راہ عمل کو سہل کر دیا اور جادۂ ترقی کی ہر رکاوٹ کو الگ کر دیا۔

قوت ارادی کے استحکام کا اعلیٰ ترین نمونہ یہی ہو سکتا ہے کہ کسی اہم کام کا قصد وقت سے بہت پہلے کیا جائے اور انجام کار کی ایک ذہنی ترتیب تشکیل دیدی جائے پھر زمانہ کروٹیں بدلے۔ روز و شب پے در پے گزریں منٹوں سے گھنٹے بنیں، گھنٹوں سے رات دن، رات دن سے ہفتہ اور ہفتوں سے مہینے اور مہینوں سے سال۔ کئی موسم بدلیں، کئی فصلیں آئیں جائیں کبھی خزاں کا دور دورہ ہے کبھی بہار کی رات۔ یونہی اپنے احوال میں کافی انقلاب پیدا ہے۔ بچپن شباب نے چھین لیا شباب کو پیری نے دبا لیا۔ تجرد کی جگہ تاہل تھا۔ غرض دنیا کی ہر چیز بدلے مگر وہ ارادہ ہرگز نہ بدلے جو کبھی کسی مہتم بالشان کام کے لئے کر لیا تھا۔ اتنی مضبوط قوت ارادی کی مثال دیکھنا ہو تو آؤ حسینؑ کو خود کی آنکھوں سے دیکھو۔ ذرا سوچو تو وعدہ کب کیا اور کیونکر کیا اور وفا کس وقت کیا اور کس طرح کیا۔ بچپنے میں نانا کی گود میں بیٹھ کر وعدہ کیا تھا۔ کربلا میں عالم پیری میں اس کو وفا کیا۔ کتنے ہی تغیرات

وجود میں اگر وادی عدم سے عالم کافی زمانہ درمیان میں گزرا مگر مجال کیا جو سر مو فرق نو آیا ہو یا ایک نقطہ کی گنجائش رہی ہو جو کہا تھا وہی کیا اور جس طرح کہا تھا اسی طرح کر دکھایا۔ کیا کسی رکاوٹ میں اتنی ہمت تھی جو حسینؑ کو ان کے مضبوط ارادہ سے باز رکھتی۔ لا واللہ ہرگز نہیں۔

اس مظاہرہ میں امام انامؑ نے قوت ارادی کے متعلق اس کے تمام ضروریات بھی عمل کی زبان سے بیان فرما دیئے ہیں۔ ارادہ کب کرو اس کے لئے کس فکر و تدبر و ذہانت کی ضرورت ہے اور قوت ارادی کو مضبوط کیونکر کیا جاتا ہے اور اس کی مضبوطی کی کیا پہچان ہے ایک ایک کرکے اس شاہکار میں آپ کو سب کچھ ملے گا جو حضرات نظریہ نشو و ارتقاء کے تمام جزئیات سے واقف ہیں ان کو یہ چیزیں بڑی تفصیل و وضاحت سے نظر آئیں گی، اب میں چند سطریں حوالہ قلم کرتا ہوں جس میں اہل نظر معنویت کا عالم آباد دیکھیں گے۔

قوت ارادی کی طاقت کا ثبوت محبوب چیزوں کے ترک سے بھی ملتا ہے اور کمال میں اضافہ ہوتا ہے جو شخص قوت ارادی کا پکا نہیں ہوتا وہ ہرگز کسی مقصد کی اہمیت کے مطابق قربانیاں نہیں دے سکتا۔ منفعت عامہ کے لئے اپنے فائدوں کو نثار کر سکتا ہے۔ نہ اصلاح خلق کے لئے اپنی بربادی گوارہ کر سکتا ہے، نہ استقبال کی بہبودی کے لئے حال کے عیش کو نظر انداز کر سکتا ہے۔ حالانکہ انھیں چیزوں میں ترقی و کمال کے اسرار پوشیدہ ہیں۔ امام نے ہر ہر گام پر ان کا انکشاف فرمایا ہے وطن پیارا ہے، مگر کس کے مقابلہ میں یاد ان وطن کا جماؤ ضرور سہانا، مگر کس وقت، عزیز و عقارب کی صحت و سلامتی کی تمنا ہر دل میں ہوتی ہے۔ مگر اس کا بھی ایک محل ہے، اولاد زندگانی دنیا کی زینت ہیں اور ہر شخص ان کے سامنے اپنی موت کو خوش نصیبی تصور کرتا ہے، مگر اس کے لئے بھی ایک زمانہ معین ہے جسم انسانی راحت کا طالب ہے تکلیف سے بھاگتا ہے ان تمام چیزوں میں مبتلا ہو کر انسان اپنی ترقیوں کو کھو دیتا ہے۔ اور ایک کے پیچھے دوسرے کو فراموش کر بیٹھتا ہے مگر ارادے والا کہیں نہیں رکتا ہر الجھاؤ سے دامن بچاتا ہوا وہاں پہونچتا ہے جہاں اس کو جانا ہوتا ہے۔

یہی سبق دیا امام حسینؑ نے دیا کہ وہ آدمی انسان نہیں جو کوئی نصب العین نہ رکھتا ہو اور کسی طرح کی رکاوٹوں سے حواس باختہ ہو جاتا ہو۔ بلکہ کمال یہ تھا امام کا کہ جو چیزیں مقصد میں رکاوٹ ڈال سکتی تھیں انھیں کو کامیابی کا ذریعہ گردانا جو تعلقات ارادہ میں سدّ راہ ہو سکتے تھے۔ انھیں کو شاہراہ میں صرف کر دیا جس کا یہ مطلب نکلا کہ مضبوط ارادہ والا چاہیئے۔ پھر موانع و ذرائع اور رکاوٹیں "سہارا" بن جاتی ہیں۔ یہ ہیں امام حسینؑ کے امنگ بلند کے زریں نتائج جو انسانیت کو کمال کی چوٹی کی طرف بڑھا رہے ہیں۔ حسینؑ کا بلند ارادہ کیا تھا؟ حق و صداقت کی کامل نگہداشت، پھر کیا؟ یہ ہوا کہ ان کی لازوال حفاظت کرکے رہے۔ چاہے اس ضمن میں بڑا سے بڑی مشکلات کا سامنا کرنا پڑے، مشکلات نے ہزیمت کا اعتراف کیا۔ مگر عزم حسینی میں کہیں کمزوری پیدا نہ ہو سکی یہ مقصد کسی طرح نہ چھوٹا اسکے لئے ہر چیز چھوٹ سکتی ہے اور مقصد میں کامیاب ہونے کے لئے ہر شئے کو لگایا جا سکتا ہے۔ امام نے ایوان اسلام میں تزلزل دیکھا سہارا دینے کے لئے بھائی کے ہاتھ بطور ستون لگا دیئے۔ چہرۂ ایمان پر پژمردگی کے آثار ہویدا پائے خون شبیر کا غازہ مل کر سرخرو بنا دیا۔ ناموس انسانیت کی عریانی کا خوف تھا بہنوں اور بیٹیوں کی چادریں پیش کرکے پردہ داری کی، عروس ملت کی آرائش لٹتے دیکھی، سیدانیوں کے زیورات حوالہ کر دیئے۔ رندان توحید کی یتیمی گوارہ نہ ہوئی چھوٹے چھوٹے بچوں کی بے پدری گوارہ کی، اپنے لال کا کلیجہ نیزہ کی نوک پر نصب کرکے عظمت اسلامی کا نہ جھکنے والا پرچم تیار کر دیا۔ نانا کی امت آوارہ نہ ہو، کنبہ کا در بدر پھرنا منظور فرما لیا، وطن میں رہنا نہ ملا نہ سہی، آرام نہ پایا تھا مال و دولت نہ ملے نہ سہی، ترائی میں خیمہ نصب کرنے کی جگہ نہ ملی نہ سہی، پانی نہ ملا نہ سہی، مگر مقصد ہاتھ سے نہ جائے، وہ ضرور ملے اور اس طرح ملے کہ اس میں کامیاب طریقہ اور کوئی ممکن ہی نہ ہو، شائد کوئی کوتاہ بین یہ کہدے کہ امامؑ نے جو کچھ ترک کیا مجبوراً ترک کیا۔ اگر اختیار ہوتا تو ترک نہ کرتے۔ مثلاً پانی نہ ملا نہ پیا۔ اگر مل جاتا تو کیا پی لیتے؟ (گو ہماری روایات میں اس کا کافی جواب موجود ہے مگر میں اسکو جواب میں نہیں پیش کرتا) یہ سنکر دریا پر اپنے شانے کٹانیوالے شہید جانباز ابوالفضل مسکراتا ہوا آگے بڑھتا ہے اور اس کہنے والے کے منھ پر ہاتھ رکھ دیتا ہے اور فرماتا ہے ارے کیا غضب کرتے ہو، ہم کو دوسروں پر قیاس کرو حسینؑ تو حسینؑ، تم مجھ ہی کو دیکھ لو گھونٹ دو گھونٹ نہیں، گلاس دو گلاس نہیں بلکہ پورے دریا پر قبضہ تھا۔ میں بے انتہا پیاسا بھی تھا پھر کیا میں نے پانی لیا، ہرگز نہیں، مطلب یہ ہے کہ ہم حق کے پابند ہیں، معنویت کے ساتھ جو چیز کرنیکی ہوتی ہے وہی کرتے ہیں اور دشواریوں کو سہل بنا کے کرتے ہیں اور جو کرنیکی نہیں اسکو ہرگز نہیں کرتے چاہے وہ کتنی ہی آسان ہو اور دلفریب ہو کیوں نہ ہو، تم بھی اگر ترقی و کمال کے آرزومند ہو تو ہم سب کی طرح آقا حسینؑ کے پیچھے ہو لو تو کمال تمہارا غلام اور ترقی تمہاری کنیز ہو جائے گی اور تم میں وہ روح عمل پیدا ہو جائیگی جس کو فنا نہیں جسم بے جان ہو جائے مگر تمہارا مقصد اور تمہارا نام ہمیشہ زندہ رہے گا۔"

انسانیت کا ناخدا

بین الاقوامی زاویۂ نگاہ سے

از شاعرِ آلِ محمدؐ جناب نسیم امروہوی کے قلم سے

اے کربلا نشیمنِ کرب و بلا ہے تو
اے ارضِ پاک نسخۂ خاکِ شفا ہے تو
اے کعبۂ طریقت عشق و وفا ہے تو
اک جنتِ شریعت نشو و نما ہے تو
ہر ذرّہ تیرا حق طلب و حق سرشت ہے
تو صبر کی زمیں پہ عمل کا بہشت ہے

اے وعدہ گاہِ ذبحِ عظیم اے حریمِ ناز
تو حسن کا عراق ہے تو عشق کا حجاز
تو عرشِ انکسار ہے تو کرسئ نیاز
تو کائنات شوق میں ہے اک جہانِ راز
بھاری ہے ذرّہ ذرّہ ترا مشرقین پر
دونوں جہاں کو ناز ہے تیرے حسینؑ پر

انسانیت تھی جب ستم و جور سے غلام
نوعِ بشر کو تو نے دیا عدل کا پیام
ہند و عراق و بابل و آشور و مصر و شام
لیں تجھ سے درسِ عزم و عمل ملتیں تمام
تیری یہ سرزمین حقیقت کی کان ہے
پنہاں یہیں کہیں بشریت کی جان ہے

کی ہیں قدم قدم پہ جو حق کی رفاقتیں
گھر کر گئی ہیں دل میں حسینی صداقتیں
اے کربلا ملی ہیں تجھے یہ سعادتیں
دب دب کے رہ گئیں ترے حق سے ضلالتیں
فطرت بھلا سکے گی یہ احسان کربلا؟
گہوارۂ عمل ہے بیابانِ کربلا

اے ارضِ نینوا تری عظمت ہے جاوداں
تو زندگی کی روح ہے، تجھکو فنا کہاں
تو ہے جہانِ پیر میں تا حشر نوجواں
گلدستۂ بہارِ ابد ہے تری خزاں
شورش کو جس قدر تھا ابھرنا ابھر چکی
کیا تجکو خوف، تجھ پہ قیامت گزر چکی

تیری شہادتیں، ابدی کامرانیاں
بچوں کے جوشِ علم و عمل کی جوانیاں

سینوں کے زخم طاقت پاکی نشانیاں   اسلام کے شباب کی رنگیں کہانیاں
بڑھتا ہوا شکوہ شہیدانِ کربلا
تاریخ لکھ رہی ہے بعنوانِ کربلا
بالا نہ کیوں ہو تیری کتاب وفا کا بول   تیرے لباس صدق و صفا میں شکن نہ جھول
میزان عدل میں لحد بے زباں کو تول   تیرا یہ ایک ذرّہ ہے دونوں جہاں کا مول
یہ گُل کہاں کھِلے گلشن عنبر سرشت میں
تجھ سے ہی یہ بہار گئی ہے بہشت میں
ہے سجدہ گاہ خلق تری سرزمینِ پاک   تو حُرّیت پناہ ہے اے کربلا کی خاک
کتنا ترا فسانۂ خونیں ہے دردناک   ماتم میں تیرے سارا زمانہ ہے سینہ چاک
گُل ہے چراغ عظمتِ شام و دمشق کا
جذبہ ہے سب کے دل میں مگر تیرے عشق کا
کیونکر نہ ہو حسینؑ کا ماتم جہاں میں عام   انسانیت کو یہ بشریت کا ہے پیام
ایسا پیام ہے جو نئے عہد کا نظام   ایسا نظام ہے جو مساوات کا امام
ظالم کا غیر ہے، نہ یگانہ نہ شریک ہے
مظلوم کا تمام زمانہ شریک ہے
تحریک غم، گلا تہ خنجر حسینؑ کا   پیغام آہ، خاک کا بستر حسینؑ کا
تصویر درد، لاشۂ بے سر حسینؑ کا   اشک آفریں، سکوت کا نشتر حسینؑ کا
بچے کا خون بہنا شفاعت کے واسطے
ضربِ شدید ہے دلِ فطرت کے واسطے
واللہ بیکسی سے عجب کام ہو گیا   ضبطِ فغاں سے شاہ کا غم عام ہو گیا
تشہیر جب یہ قافلہ تا شام ہو گیا   قاتل تمام خلق میں بدنام ہو گیا
وہ شوکتیں ہیں اب نہ یزید پلید ہے
زندہ ہے وہ جو راہ خدا کا شہید ہے
ظالم یزید، فاسق و بدکار و نابکار   بد نفس بے نماز مغنیّ شرابخوار
دیں کے لباس میں سگِ دنیائے بدشعار   بوجہل وقت، عہد جہالت کی یادگار
ڈرتا نہ تھا خدا سے خودی کا مرید تھا
ابلیس پُر غرور بشکلِ یزید تھا
سلطان ظلم و جور سفیہ و ستم ظریف   نذر گناہ جس کا ہر اک جوہر لطیف
روح خبیث پیکر بد عنصر کثیف   اللہ کی زمیں پہ خود اللہ کا حریف

دستِ ریا میں دامنِ ایماں لئے ہوئے
سینے میں کفر ہاتھ میں قرآں لئے ہوئے

کھولے ہوئے نفاق کا پرچم بصد غضب — جڑ دین حق کی کاٹ رہا تھا عدوئے رب
تھی تیغ شر سے ملتِ مرحوم جاں بلب — کچلا گیا تھا جذبۂ آزادیٔ عرب
آتا تھا قولِ حق سے جو دھبّا شریر پر
پہرے بٹھا دیئے تھے صدائے ضمیر پر

پنجے میں نفس کے جو پھنسا تھا ہر اک نفس — ظالم کی سلطنت تھی کہ سونے کا اک قفس
اک لشکرِ گناہ چپ و راس و پیش و پس — حوّا کی بیٹیوں کا گنہگار بوالہوس
رہتا تھا اک گناہ کی زد میں ہر ایک رات
سوتا زیادہ کھانے کی حد میں ہر ایک رات

تھا اس کا دین شاہد و چنگ و رباب و نے — مرغوب تھی نشاط و طرب کی ہر ایک شے
تھا شور بارگاہ خلافت میں پے بہ پے — "مطرب بزن ترانہ و ساقی بیار مے"
تازہ بتازہ عیش کی دنیا سجائے جا
ہاں گائے جا امنگ سے ہاں ہاں پلائے جا

ظالم کے عہدِ جور میں [illegible] کے تھے امیر — کچھ عالمان بے عمل و فتنہ جو شریر
آزاد عقل و فہم و نظر حرص کے اسیر — خود بیں جو تھا امیر تو بے پیر دستگیر
مردہ تھی روح قوتِ حس محوِ خواب تھی
بغضِ ابوتراب سے مٹی خراب تھی

زہد و ورع کا نام بھی لیتا نہ تھا کوئی — زاہد کا تو سلام بھی لیتا نہ تھا کوئی
نذرِ خدا طعام بھی لیتا نہ تھا کوئی — بے مے تبرکاً جام بھی لیتا نہ تھا کوئی
فاسق تھا وہ بھی جس کا بڑا اعتبار تھا
حد ہو گئی کہ مفتیٔ دیں بادہ خوار تھا

خارج تھا ان کے سال سے گویا مہِ صیام — کرتے تھے دور ہی سے نمازوں کو وہ سلام
خم کا جو تھا قعود تو ساقی کا تھا قیام — کرتا تھا بار بار رکوع و سجود جام
سب کی نظر میں بنتِ عنب کا جمال تھا
مے اک طرف کہ خونِ شریعت حلال تھا

قانونِ سلطنت جو رہِ حق میں تھا خموش — مفتی تھے مفت خوار تو قاضی قلم بگوش
تھے فیصلوں میں عذر کے جویا بہانہ کوش — جذبات بیچتے تھے وہ انسانیت فروش
صدق و صفا کی مے سے جو خالی ایاغ تھا

سجدہ بھی ان کا دین کے ماتھے پہ داغ تھا

ایماں فروش مس پہ چڑھا کر طلا کا جھول
کرتے تھے مکر و زور کی میزاں میں ناپ تول
باقی تھی کچھ خلوص کی قیمت نہ حق کا مول
غائب ہوا تھا مغز فقط رہ گیا تھا خول
اک شور تھا کہ نعمتِ لطفِ یزیدؔ لو
دیں اپنا بیچ بیچ کے دنیا خرید لو

پیوست تھا جو ان کی رگوں میں سلف کا خوں
اُبھرا تھا جاہلیتِ سابق کا پھر جنوں
مسلم برائے نام تھے اور کام تھے زبوں
اسلام کے اصول تھے غیرت سے سرنگوں
ہوتی تھی لعن آلِ رسولِ کریم پر
جاہل چڑھے ہوئے تھے منبر خلقِ عظیم پر

خطبوں میں مدح آلِ اُمیّہ کی تھی پکار
تھا منبروں پہ گرم خیانت کا کاروبار
ڈھلتی تھیں صبح و شام احادیث بیشمار
قرآن بے تفسّر و تفسیر بے وقار
ہر کور دل امام ہدایت مآب تھا
ہر کور چشم حافظ ام الکتاب تھا

نوعِ بشر تھی ننگ غلامی سے داغ داغ
پہرے میں تھی زباں تو شکنجے میں تھے دماغ
آزادیٔ خیال کا ملتا نہ تھا سراغ
گُل تھا دیارِ شام میں اسلام کا چراغ
اُمت ذلیل تھی جو ضلالت کے عیب سے
اک مردِ حق نما کی ضرورت تھی غیب سے

وہ مردِ حق نما خضرِ اُمتِ رسولؐ
مشکلکشاؑ کا لال جگر گوشۂ بتولؑ
باطل کے عہدِ ظلم میں خوددار و بااصول
جیسے کہ سیلِ تند کی زد پر کنول کا پھول
بیتاب جس کا جوش اُبھرنے کے واسطے
پالا تھا جس کو عزم نے مرنے کے واسطے

دل تھا ادائے فرضِ شہادت کو بیقرار
سمعِ قبول منتظرِ حکمِ کردگار
آنکھیں وفا کی راہ میں تھیں محوِ انتظار
گردن کو تیغِ تیز کی حسرت تھی بار بار
حق تھا قریب تر جو رفاقت کے واسطے
شہ رگ تڑپ رہی تھی شہادت کے واسطے

ناگاہ ظلم و جور کا اُمڈا جو اک سحاب
پیدا ہوا فضائے شریعت میں انقلاب
آئی ندائے غیب کہ اے جانِ بوترابؑ
ہاں وقت آگیا ہے کہ باطل ہو بے نقاب
سر دے کے کفر و شرک کی گردن کو توڑ دے
اُٹھ اور اُٹھ کے ظلم کا پنجہ مروڑ دے

یہ سُن کے شیرِ بیشۂ غم نے کسی کمر   توشے میں صرف حق کو لیا اور کیا سفر
تاریخ کہہ رہی ہے یہ اب تک پکار کر   تھے ساتھ کچھ عزیز کچھ احباب معتبر
گھر سے چلے تھے گھر کے لٹانے کے واسطے
کچھ بی بیاں تھیں قید میں جانے کے واسطے

وہ منزلیں کڑی وہ ہر اک راہ پُرخطر   گرمی کی فصل، لُو کے تھپیڑے کہ الحذر
زہوس کا وہ ساتھ، مخالف وہ دشت و در   مرجھا رہے تھے دھوپ میں سب غنچہائے تر
گزرے جہاں سے تازہ مصیبت وہاں ملی
کعبے میں بھی نہ بے وطنوں کو اماں ملی

ہر ہر قدم تھے گھات میں اعدائے بوتراب   لیکن بایں مصائب و آفات بے حساب
اس کاروان شوق کی عظمت تھی لاجواب   ہر گام راستی و صداقت کا تھا شباب
ہر اک نفس پیام تھا تازہ حیات کا
ہر سانس مد و جزر تھی بحرِ نجات کا

اللہ رے کاروان جگر گوشۂ بتول   سالار جس کا فدیۂ حق نائبِ رسولؐ
ناقوں پہ اہلِ بیت، نہ تھکیں نہ دل ملول   صحرا میں کھل رہے تھے ریاضِ وفا کے پھول
لیتے تھے کربلا کے مسافر نہ دم کہیں
رکتے ہیں خضرِ راہِ طلب کے قدم کہیں!

یوں رہ نوردِ عزم رواں تھا یہ کارواں   جس طرح کوئی طالبِ مہجور و نیم جاں
شوق لقا میں کوچۂ دلبر کو ہو رواں   ناگاہ حدِ منزلِ مقصد ہوئی عیاں
رک رک کے رہروانِ محبت نے دم لئے
بڑھ بڑھ کے خاکِ پاک نے شہ کے قدم لئے

اُترے جو راحلوں سے شہیدانِ امتحاں   تھی اُن دنوں غضب کی وہ گرمی کہ الاماں
برسا رہا تھا آگ شب و روز آسماں   ٹھہرے لبِ فرات مدینے کے میہماں
دم بھی نہ لینے پائے کہ دن تھرتھرا گیا
دریا پہ فوجِ شام کا طوفان آگیا

بڑھ بڑھ کے پُرغرور پکارے یہ دمبدم   خیمے اُٹھاؤ نہر سے اس جا رہیں گے ہم
بپھرے یہ شور سُن کے جو عباسِؑ ذی حشم   شہ بولے ٹھہرو بھائی، مرے خون کی قسم
ہم شر بڑھائیں گے نہ کبھی اپنی ذات سے
کہہ دو۔ اُٹھائے لیتے ہیں خیمے فرات سے

اُٹھے غریب نہر سے، ٹھہری سپاہ شام   جلتی زمیں پہ شاہ کے برپا ہوئے خیام

لائے شقی جو بیعت، فاسق کا پھر پیام بولے شکوہ شوکت حق سے شہ انام
اُمید جور فاطمہؑ کے نورِ عین سے!
یہ تو کبھی ہوا ہے نہ ہوگا حسینؑ سے

سالار فوج نے جو سُنا صاف یہ جواب کھائی و فور غیظ سے ظالم نے پیچ و تاب
چاروں طرف سے گھیر کے مظلوم کو شتاب تھی ساتویں کو بند کیا میہماں پہ آب
سیراب ہو رہے تھے ستمگار نہر سے
محروم تھا نبیؐ کا پسر ماں کے مہر سے

سرشار امتحاں تھے مگر جان بوتراب اس پیاس میں نہ رُخ پہ تھی زردی نہ اضطراب
حجت تمام کرنے کو جب مانگتے تھے آب بے شرم فخر و ناز سے دیتے تھے یہ جواب
جب تک نہ سر یزید کے آگے جھکاؤ گے
رگڑو گے ایڑیاں بھی تو پانی نہ پاؤ گے

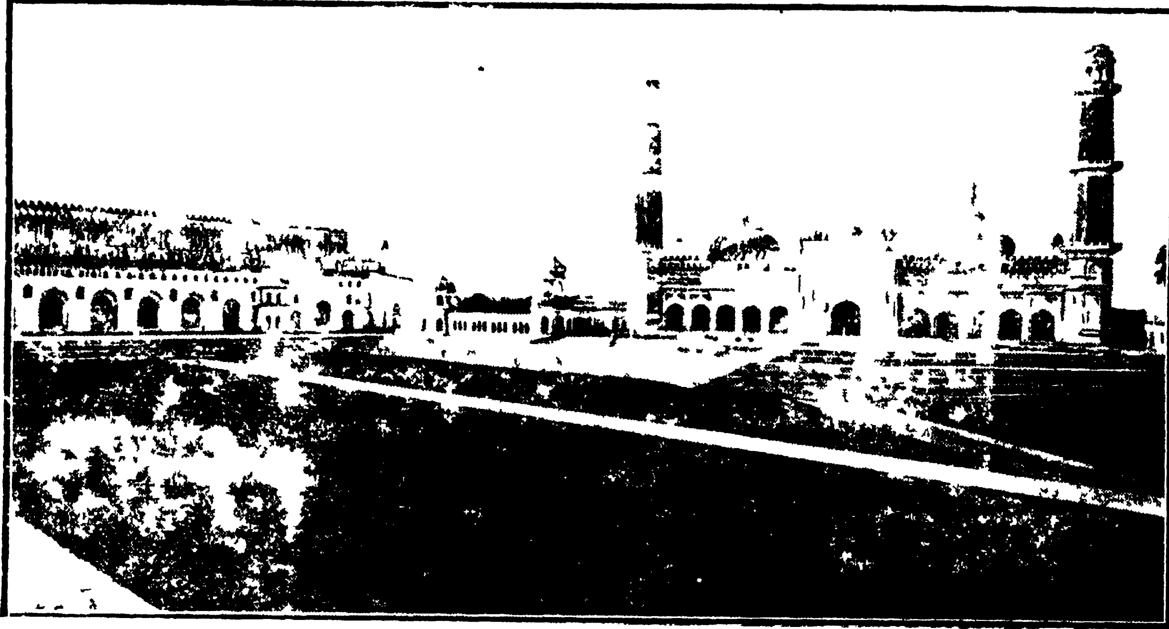
سُن سُن کے یہ خلاف ادب فوج کا کلام بڑھتے تھے بار بار علمدار نیکنام
غازی کو روک روک کے فرماتے تھے امام اُمت پہ اور غیظ و غضب میرے لالہ فام
دینِ نبیؐ کی لاج تمھارے ہی ہاتھ ہے
اتنا رہے خیال کہ صابر کا ساتھ ہے

سُن سُن کے یہ کلام امام فلک وقار بڑھتا تھا دل میں شوق شہادت کا باربار
مرنے کو طفل و پیر و جواں سب تھے بیقرار زہراؑ کے لال تیری قیادت کے ہم نثار
بھیجا جو قتل گاہ میں لب چوم چوم کے
بچے بھی تیغیں کھانے لگے جھوم جھوم کے

ایک ایک کرکے ہونے لگے ذبح دل کے چین دریا دلی سے گھر کو لٹانے لگے حسینؑ
دم توڑتے تھے آنکھوں کے آگے جو نورِ عین سبط نبیؐ کے صبر پہ روتے تھے مشرقین
چہرے پہ ضبط و صبر کی چادر جو ڈال لی
انسانیت کی ڈوبتی کشتی سنبھال لی

پیٹا نہ سر کسی مہ انور کی لاش پر ماتم کیا نہ قاسمؑ مضطر کی لاش پر
تھاما فقط کمر کو برادر کی لاش پر یاد آ گئے نبیؐ علی اکبرؑ کی لاش پر
دل سے کہا یہ ظلم بھی سہ لے جہان کا
پیری میں، ہم اُٹھائیں گے لاشہ جوان کا

مقتل میں گرچہ روح پیمبرؐ تھی نوحہ گر چشم حسینؑ اشک سے لیکن ہوئی نہ تر
باندھی جو اُن کی لاش اُٹھانے کو خود کمر انصار کو مگر نہ بُلایا پکار کر



امامباڑہ و مسجد آصفی لکھنؤ





حضرت تاج العلماء مولانا سید محمد ذکی صاحب قبلہ مجتہد العصر مدظلہ
نبیرہ اکبر سرکار نجم الملۃ



خطیب اعظم جناب مولانا سید محمد صاحب
دہلوی مدظلہ رامپور



جناب عمدۃ الواعظین ملا محمد طاہر صاحب
مدظلہ لکھنؤ



جناب سید علی اطہر صاحب نقوی
چھندواڑہ سی-پی

اتنا کہا فقط کہ برادر کدھر گئے
عباسؑ کچھ سنا علی اکبرؑ بھی مر گئے
اکبرؑ کے بعد اور بھی محشر بپا ہوا صابر سے چھ مہینے کا بچہ جدا ہوا
لب آب کی طلب پہ ستم یہ روا ہوا نازک گلا نشانۂ تیرِ جفا ہوا
قائم شقاوتوں کی یہ تمثیل ہو گئی
قربانیٔ حسینؑ کی تکمیل ہو گئی
تھی گرچہ الفتِ پدری سے نہ دل کو تاب فطرت سے لڑ رہا تھا مگر جانِ بوتراب
دل رو کے کہہ رہا تھا کہ اے دلبرِ رباب اس امتحان میں بھی ہوا باپ کامیاب
چونکو تو تیر کھینچ لیں اب منہ کو پھیر کے
اے لال آنچ نہ کیجیو پوتے ہو شیر کے
یوں کھیلتے ہیں تیروں سے حیدرؑ کے گلعذار ننھے سے باوفا تری ہمت کے میں نثار
یہ امتحان صبر ہے اے لال ہوشیار بابا کا دل تڑپ کے نہ کر دیجیو بیقرار
کیونکر ہوں اب بیان جو صدمے گزر گئے
بس مسکرا کے اصغرِ بے شیر مر گئے

پیاس

(از شاعر آلِ نبیؑ نثار بوترابی تلمیذ حسینی شاعر جناب فضل لکھنوی)

کس طرح بجھ سکے گی مجھکو شہِ دلگیر کی پیاس
دل میں اک آگ لگا دیتی ہے شبیرؑ کی پیاس
ہائے پانی کا نہ اک گھونٹ ملا پیاسے کو
آب خنجر سے بجھی کشتۂ شمشیر کی پیاس
پیاس گر ہوتی نہ اصغرؑ کو نہ ستاتے رن میں
عمر بھر ماں کو رلاتی رہی بے شیر کی پیاس
دیکھ کر ماہِ محرم میں سبیلوں کی نیاز
خود بخود آنکھوں میں پھر جاتی ہے شبیرؑ کی پیاس
سانحہ ایسا زمانے میں نہ دیکھا نہ سنا
حلق کے خوں سے بجھی اصغرِ بے شیر کی پیاس
روئے چالیس برس شاہِ زمن کو عابدؑ
دیکھا جب آب تو یاد آ گئی شبیرؑ کی پیاس
تیرا ہونا بھی نہ ہونے کے برابر تھا فرات
بجھ سکی تجھ سے نہ اک اصغرِ بے شیر کی پیاس
ان کا مقصد ہے کہ گھٹ جائے ذرا ظلمِ یزید
جان کر بھی جو چھپا دیتے ہیں شبیرؑ کی پیاس
فاتحہ دودھ پہ معصومؑ کا ہوتا ہے نثار
جس سے ہوتی ہے عیاں اصغرِ بے شیر کی پیاس

فلسفۂ کربلا

از جناب سید صدر الاسلام صاحب صدر

جان و دل سے کیوں نہ ہو جائیں فدائے کربلا
کربلا اپنے لئے ہے ہم برائے کربلا

خاک کر ڈالے زمیں پر ہم کو جورِ آسماں
دل سے اپنے مٹ نہیں سکتی ولائے کربلا

میرے دامن میں ہے پوشیدہ حسینی قافلہ
آ جتاک کانوں میں آتی ہے صدائے کربلا

دوپہر میں کر گیا طے سر سے ابنِ فاطمہ
ابتدائے کربلا و انتہائے کربلا

ترک کر دے دارِ دنیا عیشِ فانی تا کجا
کر دے مر کے اپنے دل کو آشنائے کربلا

سو گیا کس چین سے عمرِ ابد پائے ہوئے
خضر کہئے خضر اُسے جو ہو فدائے کربلا

اس دعا پر نزع میں نکلی ہے تن سے جاں نزار
جائے مدفن ہم بھی پائیں اے خدائے کربلا

فقر کی حالت میں سمجھوں دو جہاں ٹھکوئے
ہاتھ آ جائے اگر خاکِ شفائے کربلا

اس عطا پر کیا تعجب ہے جو دل راضی ہو
خلد ہی پاؤں جو دنیا میں بجائے کربلا

خاک سے اپنی ہزاروں مُردے زندہ کر دیئے
اشکِ عیسیٰ ہے مرا معجز نمائے کربلا

زندگی سے بڑھ کے نکلی تارک الدنیا کی پیاس
راس آ سکتی تھی کیا آب و ہوائے کربلا

آسماں پر خونِ تازہ نے کیا ماتم بپا
تیر کھا کر جب ہوئے اصغر فدائے کربلا

جوشِ ایماں ہے تو آؤ زائرو اور جلد آؤ
گوشِ دل سے سُن رہے ہیں یہ صدائے کربلا

صدر کے سینے میں دل ہر دل میں ہیں جذبِ اخلاص
جلد ملکِ ہند سے ہم کو بلائے کربلا

ضیائے مشرقین

(از جناب غلام حسین صاحب حضور نقوی)

آئینہ بندی ہے یا اصحاب ہیں با زیب و زین
بیچ میں اک شمع روشن ہے ضیائے مشرقین

نورِ ہر آئینہ یکساں ہے ہر آئینہ حضور
ہر شہیدِ کربلا ہے اپنے مقصد کا حسینؑ

"میدانِ نینوا اور ہم"

(از جناب بیباک ماہلی کے قلم سے)

ناظرین چند لمحوں کے لئے حسینی ماحول پر نظر فرمائیے۔ وہ مجمع ہے جس نے مکتب ازل میں علم لدنی کی تعلیم پائی ہے، وہ جماعت ہے جو شراب معرفت سے سرشار ہے وہ مقدس نفوس ہیں جنھوں نے طلسماتی کثافتوں پر پورا پورا غلبہ پاکر نورانیت کا اعلیٰ مرتبہ حاصل کر لیا ہے جو انسانی لباس میں ملکوتی صفات کے معدن ہیں۔ نہیں! نہیں!! عالم ملکوت کے سرتاج ہیں، سردار ہیں، طرۂ دستار ہیں، جن کے جھولے کو جبرئیل نے جھلایا ہے جن کی خدمت گزاری خازن رضوان نے کی ہے۔ یعنی سر برآوردہ گروہ بندہ ہے جس کے جد محترم کی شان میں خداوند عالم نے خود اپنی زبان مبارک سے فرما دیا ہے "لولاک لما خلقت الافلاک" اور ان بزرگواروں کی نگاہیں اس مقام سے آگے نکلتی رہتی تھیں جہاں پہنچ کر ایک جلیل الشان ملک کی زبان پر جاری ہوگیا تھا کہ ؎

اگر یک سر موئے برتر پرم ؛ فروغ تجلی بسوزد پرم

مگر آہ! ناقدر شناسوں نے ان روحانی و نورانی نفوس کی بالکل قدر نہ کی ان کی حقیقت آموز باتوں کو نہ سُنا۔ حالانکہ ان کی جلالت قدر کا علم تھا۔ جانتے تھے کہ خدا کے محترم و برگزیدہ حبیب محمد مصطفٰے صلعم نے زبان چسائی ہے، سینہ پر سُلایا ہے کاندھے پر چڑھایا ہے، اظہار مراتب کے لئے "حسین منی و انا من الحسین" سید شباب اہل الجنۃ (طبرانی) فرما کر خدا کے حکم "قل لا اسئلکم علیہ اجراً الا المودۃ فی القربیٰ" کی تفسیر کر دی ہے مگر ان ظالموں نے جان بوجھ کر وہی راستہ اختیار کیا جو سیدھا ضلالت کی وادیوں کی طرف جانے والا تھا اور جس کی راہ نفسانیت کے علمبرداروں نے قائم کر دی تھی جو شروع سے قرآن و دین رسولؐ کے دشمن تھے اور جن کی پیشانیاں ہمیشہ صنم کدوں پر جھکی رہیں، اور جن کے دلوں میں لا الہ الا اللہ و محمد الرسول اللہ کہنے کے بعد بھی منافقت چھپی رہی یعنی طرح طرح کے آزار پہونچائے، دُکھ دیئے، صغیر سِن بچوں تک کا لحاظ نہ کیا۔ ناموس کی آہ وزاری پر ترس نہ کھایا اور تین شبانہ روز کی بھوک پیاس میں مع ہشتر عزیز و اقارب کے سر کو تن سے جدا کر دیا جس میں چھ مہینہ تک کی جان تھی۔ افسوس ہزار افسوس! ؎

اک افسانہ بیکسی رہ گیا ؛ نہ قاتل رہا اور نہ سرور رہے

لیکن ظلم تو یہ ہے کہ افسانہ بیکسی کے دہرانے اور ان شہیدانِ راہِ خدا کی یاد کے تازہ کرنے میں بھی ان کی تار و پود کو کھٹک محسوس ہو رہی ہے اور آئے دن ایسا سوانگ نکالا جانا تجویز کرتی ہے کہ جس سے رسولؐ و آلِ رسولؐ کی تحقیر ہو۔ ان کے محامد و فضائل سے ان کی رضاجوئی و معرفت بینی سے دنیا واقف نہ ہو، حالانکہ اب نہ ویسی آسائشوں کی امید ہے، نہ اسباب تکبر و تبختر کی، نہ خشم و خدم کی، نہ مال و دولت کی جس کا کہ خواب ان کے اسلاف نے دیکھا تھا۔

اس پر ستم ظریفی یہ ہے کہ دعویداران محبت و اُلفت انوار ربانیہ، متمسکان دامن خلفاء الہیہ، شیدائے رسالت، دلدادگان امامت نام حسینؑ کے فدائی ہاتھ پر ہاتھ رکھے تماشا دیکھتے ہیں اور آپس کی اُدھیڑبُن۔ ہم سچے کہ تم سچے کی بحث کو اس انداز سے بڑھاتے چلے جاتے ہیں کہ اغیار تالیاں بجاتے ہیں۔ آوازے کستے ہیں اور آئندہ ان کے اس گندے رویہ سے مستفیض ہونے کی صورتیں نکالتے جاتے ہیں افسوس!

حالانکہ ایسی فضا میں ہم سچے کہ تم سچے کی بحث سے علیحدہ ہو کر ضرورت تھی کہ رواداری و مساوات کے ساتھ حسینی مشن کی نہایت دھوم دھام سے تبلیغ کی جاتی، ایسے موقع فراہم کئے جاتے کہ عوام ان جور و استبداد کی داستانوں کو سُنتے اور متعدد رسالوں، کتابوں، اخبارات میں پڑھتے جو رسولؐ کے کلمہ گویوں کے ہاتھ سے رسولؐ کی اولاد اطہارؑ

پر ار ابتداء تا انتہا واقع ہوئے اور ان کے صبر و استقلال و شجاعت و ایثار کا ... رہ دیکھ کر معلوم کرتے کہ وہ مجسمہ نور تھے' روحانی تعلیم سے ان کے سینے پر نور تھے' وہ قابل ہیں کہ ان کی ناسی کی جائے' معصوم ... بے گناہ مانے جائیں پیغمبروں کے حقیقی جانشین سمجھے ... بس ان کے دشمنوں سے دنیا کو نفرت دوستوں کو رغبت پیدا ہو اور وہ اسلام سربلند نظر آئے جس کی حفاظت و بقا کے لئے حسین علیہ السلام نے اپنے کو مع بہتر۷۲ عزیز و اقارب کے یزید بدنہاد کے اس خیال کے سامنے رکھ دیا تھا ہے

لست من خندف ان لم انتقم   من بنی احمد ما کان فعل

یعنی میں خندف سے نہیں اگر احمد بن عبد اللہ کی اولاد سے اس کا بدلا نہ لے لوں جو احمدؐ نے میرے بزرگوں کے ساتھ کر ڈالا۔

جیسے آج بھی دنیا سامنے رکھ کر اپنے زعم ناقص میں کہتی ہے کہ امام حسین علیہ السلام کی شہادت کا باعث محض اموی کینہ تھا اور اس پر غور نہیں کرتی کہ "لا الہ الا اللہ" کا درس دیتے ہیں' محمد رسول اللہ کا سبق پڑھاتے ہیں' ان الدین عند اللہ الاسلام کی تلقین فرماتے ہیں۔ احکام قرآنی کی تعلیم دیتے ہیں' حدیث رسول پر چلنے کی ہدایت کرتے ہیں' اموی کینہ کی نوعیت بدل گئی' زبان پر ہاں اور دل میں نہیں ثبت ہو گیا اور صورت سے موافقت و سیرت سے منافقت کی آواز آنے لگی جس کے شور و غوغے نے آنحضرت صلعم کے زمانہ حیات ہی سے شروع ہو کر یہاں تک آوازہ بلند کیا یہاں تک بلند کیا کہ احکام قرآنی پامال ہونے لگے احکام رسول پس پشت ڈال دیئے گئے۔ اصول اسلام کی ... باقی رہی۔ حلال کی جگہ حرام نے حرام کی جگہ حلال نے لے لی انصاف' ظلم و جور سے بدل گیا نفس کشی کی جگہ عیش پرستی بیٹھ گئی اور احمد مجتبیٰ محمد مصطفےٰ شرف ... حبیب خدا صلعم کی یہ شان ہو گئی کہ ابوسفیان کا پوتا' معاویہ کا بیٹا یزید اپنے اسلاف کے کارناموں کو آئینہ میں دیکھ کر قاب قوسین تک جانے والے نبی کو' رسول کو پیغمبر کو ان لفظوں سے یاد کرنے لگا تو حسین علیہ السلام نانا کا دین بچانے کے لئے سامنے آ گئے۔ جس کی روشنی میں کہنا پڑتا ہے کہ اے نہر فرات کے کنارے پیاسے مر جانے والے تو نے شریعت محمدؐ کو یزید کے پنجہ سے بچا لیا اگر تیری قربانی نہ ہوتی اور تو اپنے ششماہہ معصوم بچہ کو تین شبانہ روز کی پیاس میں ہاتھوں پر لیکر میدان قتال میں اسلام کی نذر کرتا تو اسلام مٹ جاتا۔ تیری عظیم الشان شہادت نے یقیناً اسلام کو پھیلایا اور توحید کو قائم کر دیا ہے

سر داد نداد دست در دست یزید   حقا کہ بنائے لا الہ ہست حسینؑ

لیکن افسوس اور سخت افسوس ہے کہ یہاں تو تعاون عمل کا سبق ہی بھولا ہوا ہے اور ذاتی مفاد شخصی و قائد پرستی عزیز بے محل رواداری اور نمائش بین الاقوامی کی دھن میں قومی مفاد و ملی حقوق کی طرف نگاہ ہی نہیں جاتی اور ہر شخص کو نام و نمود کی فکر کچھ سوچنے نہیں دیتی۔ کاش اگر یہی خیال کر لیا جاتا کہ وہاں حسین علیہ السلام کو نرغہ اعدا میں گھرا ہوا سنکر حبیب ابن مظاہر بازار کوفہ سے خضاب پھینک کر کبر سنی میں افتاں وخیزاں خدمت حسینؑ میں باریاب ہونے کے لئے اس خیال سے دوڑ پڑے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ نواسۂ رسولؐ کا بال بیکا ہو جائے۔ رسولؐ کو کیا منہ دکھاؤں گا روز حشر فاطمہؑ و علیؑ کے سامنے کیسے جاؤں گا اگر نصیب دشمنان حسینؑ کے لئے کچھ ہونا ہو تو میری زندگی کے بعد ہو۔ میری ایمانی روشنی اور حسینی محبت اس بات کی اجازت نہیں دیتی کہ حسین علیہ السلام کا گھر تباہ ہو حسینؑ کا نام مٹے اور میں دیکھوں تو بھی یہاں حسینی نام سے موسوم ہونے والے امام باڑوں کا ٹھنڈا ہونا' چوکوں کا کھدنا علم و ضریح پر جس سے حسینؑ کا نام روشن ہے جو حسینی کارناموں پر روشنی ڈالتے ہیں' حق کو واضح کرتے ہیں' اسلام کو زندہ کرتے ہیں' محبت کے جوش میں گوارا نہ ہوتا اور اس کے قیام و بقا کی متفقہ کوشش ہوتی مگر یہاں تو ضعیف و ناقابل اعتبار روائتوں کی بنا پر پیاس حسینؑ اطفال حسین علیہ السلام کی اہمیت کے کم کرنے ہی میں لطف آرہا ہے تاکہ یہ کوئی نہ کہے کہ سبیل ہے "نذر حسینؑ کی کوئی پیاسا نہ جائے" بلکہ سوچے کہ جب غسل کرنے کو پانی تھا تو پیاسا رہنا کیا معنی؟ سمجھ میں نہیں آتا کہ ہمیشہ تو محققین نے ضعیف و ناقابل اعتبار روایتوں کو قابل ذکر نہ سمجھا اور اس کی تردید کرتے رہے اور آج کی فضا میں وہ اچھالنے و ذکر کرنے کے

قابل ہو گئی ہے۔

کاش یہی سوچ لیا جاتا تاکہ وہاں جو چیز حسینؑ کے نام سے موسوم ہو چکی تھی اس پر لوگ جانیں نثار کرنے کے لئے تلواروں پر صیقل کرتے تھے مثلاً حسینؑ کے بچے، حسینی خیام، حسینی علم چنانچہ حضرت ابوالفضل العباس علیہ السلام دونوں ہاتھ قطع ہو جانے کے بعد بھی چاہتے تھے کہ دانتوں کی گرفت میں علم کو لیلوں اور اسے زمین پر گرنے نہ دوں کیونکہ میرے آقا کے نام سے موسوم ہے تو بھی یہاں جو جائدادیں نام حسینؑ پر وقف کر دی گئی ہیں غیروں کے تصرف میں ہیں ان کے واگزاشت کی اور جائز مصرف میں لانے کی فکریں ہوتیں مگر یہاں تو نام حسین علیہ السلام سے منسوب کر کے ایسی کتاب لکھدی گئی ہے کہ خواہ لکھوئے اُسے انیسیوں و دبیریوں کا سا ایک ہنگامہ سمجھے اور اسکی صحت و صداقت اور اسکے مضامین کے ثقہ ہونے پر برسوں الجھی اور اس مجادلہ کو جاری رکھے مگر عوام شیعی دنیا جو حسینی محبت میں شیعی عقائد و روایات کی معتقد چلی آتی ہے خصوصاً نسوانی طبقہ وہ تو ماہی بے آب کی طرح تڑپ اٹھا جس بے بنیاد تکلیف دہی کی ذمہ داری مصنف کتاب کے سر آتی ہے جو ایک مجتہد عصر کی شان کے بالکل خلاف ہے۔ خدا کرے کہ جلد اس کا کوئی نعم البدل ہو جائے تاکہ حسینی دنیا کا ہیجان دور ہو۔

بہر حال جب ہم اس طرح اپنی محبت حسینی کا جائزہ آپ لیتے ہیں اور ایمانی روشنی کا عمل کے ساتھ تقابل کرتے ہیں تو یہی ہماری زبان سے نکلتا ہے کہ خداوندا تو حسین علیہ السلام کے اوران کے بچوں کے واسطے میں ہمیں ایسا نسبت کی زد سے بچا اور توفیق عطا کر کہ ہم حسینی مشن کی تعلیم کو سامنے رکھ کر ہمہ وقت اس پر عمل کرنے کی کوشش کریں تاکہ حسین علیہ السلام کا نام ہمیشہ بلند ہوتا رہے اور قومی امداد و اعانت سے محرم نمبر نہایت آب و تاب سے نکلتے رہیں تاکہ دنیا کے مختلف الخیال عقیدے رکھنے والے سے دیکھ کر اس نتیجہ پر پہونچیں کہ تاریخ عالم میں لاکھوں پیاسوں کا ذکر ہے مگر حسین علیہ السلام کی پیاس دنیا کے پیاسوں سے نرالی ہے۔ دنیا میں سیکڑوں بہادر گزرے مگر بقول احسین کا ذکر حسینی سر نامہ تاریخ شجاعت ہے‘‘ دنیا مظلوموں کی ایک طویل فہرست پیش کر سکتی ہے مگر حسین علیہ السلام کی مظلومیت جسم میں لرزہ ڈال دیتی ہے اور دشمن سے بھی بغیر یہ کہلائے ہوئے نہیں مانتی کہ صبر و استقلال مجاہد کربلا کا بے نظیر کارنامہ ہے‘‘

”پانی“

(جناب افتخار حسین صاحب رضوی فخر شیراز ہندی جرنلسٹ جونپور)

عاشور کے دن وہ کربلا میں شہ کا طلب کرنا پانی ۔ اتمام حجت کرنے تھے مقصود نہ تھا پینا پانی
اک حشر سا برپا ہو جاتا اک خون کا دریا بہہ جاتا ۔ اک فرد کو شہ کے لشکر میں پینے کو جو مل جاتا پانی
دریائے فرات آب آب ہوا شبیر کی خدمت کر نہ سکا ۔ مصروف تھیں ماتم میں موجیں سر اپنا پٹکتا تھا پانی
نو عمر تھے زینبؑ کے بچے پر قول کے تھے کتنے سچے ۔ دریا کی طرف دیکھا بھی نہیں کہتے ہیں کسے ”پینا پانی“
کونین میں تھا اک حشر بپا شبیرؑ کے بچے پیاسے تھے ۔ جنت میں تڑپتا تھا کوثر دریا میں تڑپتا تھا پانی
اصغر کو نہ لگتا تیر ستم عباسؑ کے شانے کیوں کٹتے ۔ جو کرب و بلا کی دھرتی پر تھوڑا سا برس جاتا پانی

اندھیر نگر میں کربل کے اے فخر انوکھی بات یہ تھی
سادات کا خوں تو سستا تھا لیکن تھا بہت مہنگا پانی

دینِ خدا کے رہنما

(از جناب یاور حسین صاحب یاور رائے پوری)

اے اسیرِ ابتلا، اے دہر کے مشکلکشا
اے مسیحائے شریعت، اے مریضِ کربلا

اے شکستہ پائے غربت مرکزِ مہر و وفا
رہروِ راہِ عمل دینِ خدا کے رہنما

ہادیٔ راہِ حقیقت، اے شتربانِ حرم
منزلِ ایثار و ہمت ہے ترا نقشِ قدم

تو ہے اک بابِ کتابِ حجتِ حق لا کلام
سرخیٔ ارثِ امامت سنگِ اسود کا سلام

آفریں اے وارثِ دارِ حلم شبیر کبریا
راہِ حق میں ظلم کی رسّی سے بندھوایا گلا

گو رہے وابستہ زنجیرِ آہن دست و پا
پر کبھی عقدہ کشائی کا نہ ٹوٹا سلسلہ

پنڈلیوں کا خون دیکر عزم کی دیوار کو
ہمسرِ گردوں کیا مینارۂ ایثار کو

ہاتھ بندھوا کر خلش قلبِ اُمم میں ڈالدی
موت کی اک ہتھکڑی دستِ ستم میں ڈالدی

گوشِ فطرت سے جو ٹکرائی صدائے زندگی
آہِ سوزاں بن گئی بانگِ درائے زندگی

کام یوں تو نے لیا تقریر سے شمشیر کا
دہر میں ابتک ہے سکہ فتحِ عالمگیر کا

طے کیا اس طرح تو نے منزلِ تسلیم کو
ہر قدم پر انقلاب اٹھا تری تعظیم کو

ہو گئے پامال فتنے صبر کی رفتار سے
جاگ اٹھی حرّیت زنجیر کی جھنکار سے

شہادت علی اصغرؑ —— بین الاقوامی نقطہ نظر سے

(از ڈاکٹر وحکیم جناب سید مجاور حسین صاحب رضوی ایچ پی کوچہ دبیر لکھنؤ)

حضرت علی اصغر حضرت امام حسینؑ کے ششماہہ فرزند اور مجاہد کے بارے میں مختلف روایات بیان کی جاتی ہیں اور دشمنان دین اس ننھے مجاہد کی شہادت کو سبک کرنے کے لئے اپنے کمزور قلموں کو کبھی کبھی جنبش دیتے رہتے ہیں۔ کبھی کہا جاتا ہے کہ بوقت روانگی مدینہ امام حسینؑ کے کوئی فرزند پیدا نہیں ہوا تھا۔ کبھی بیان کیا جاتا ہے کہ روانگی مدینہ کے وقت علی اصغرؑ کی عمر ۶ ماہ کی تھی تو واقع کربلا میں یقیناً ایک سال کی عمر ہو گی۔ کبھی تصنیف فرمایا جاتا ہے کہ امام حسینؑ در خیمہ پر علی اصغرؑ کو پیار کر رہے تھے اور تیر دشمنوں کی جانب سے آ ہی رہے تھے لہذا ایک تیر گلوئے صغر پر بھی لگ گیا اور یہ بچہ شہید ہو گیا۔ ان الفاظ میں غلط واقعات کو بیان کر کے اس عظیم الشان قربانی اسلام کو سبک کیا جاتا ہے میں آج تاریخی اسناد سے حضرت علی اصغرؑ کی شہادت کا تذکرہ کرنا چاہتا ہوں۔

حضرت امام حسین علیہ السلام مدینہ سے ۲۸ رجب ۶۰ھ کو روانہ مکہ شریف ہوئے تھے تاکہ خانۂ خدا میں دشمنانِ دین کے ہاتھوں سے محفوظ رہ سکیں امام حسینؑ کو مدینۂ منورہ سے روانگی سے میدانِ کربلا کے پہنچنے تک پانچ مہینہ اور کچھ روز صرف ہوئے اور جب امام حسینؑ نے روز عاشورہ محرم ۶۱ھ علی اصغرؑ کو پانی پلانے کی غرض سے دشمنوں کے لشکر کے سامنے پیش کیا ہے تو امام کے یہ الفاظ تھے:-

ثم اقبل الی ام کلثوم و قال لہ یا اختاہ اوصیک بولدی الاصغر خیراً فانہ طفل صغیر ولہ من العمر ستۃ اشہر۔ فقالت لہ یا اخی ان ہذا الطفل لہ ثلثۃ ایام ما شرب الماء اطلب لہ شربۃ من الماء.......

جب علی اکبرؑ کی شہادت ہو چکی تو امام حسینؑ در خیمہ پر تشریف لائے اور حضرت ام کلثومؑ کی متوجہ ہو کر فرمایا۔ اے میری پیاری بہن بہن تم کو اپنے ننھے بچے علی اصغرؑ کے بارے میں وصیت کرتا ہوں کہ اس کو آرام سے رکھنا۔ کیونکہ وہ بہت چھوٹا بچہ ہے اور اس کی عمر صرف چھ مہینہ کی ہے۔" حضرت ام کلثومؑ نے عرض کیا۔ اے بھائی علی اصغرؑ نے تو تین دن گزر گئے ہیں پانی کا قطرہ بھی نہیں پیا ہے آپ اسی کے لئے ایک جرعہ آب طلب کر لیجئے۔

امام حسینؑ نے علی اصغرؑ کو گود میں لیا اور دامن قبا سے چھپایا۔ میدان میں لائے اور سلم نما منافقوں کو مخاطب فرماتے ہوئے فرمایا۔

قال یا قوم قد قتلتم اخی و اولادی و انصاری و ما بقی غیر ہذا الطفل تلظیٰ عطشاً فاسقوہُ من الماء۔

امام حسینؑ نے فرمایا کہ اے گروہ مردم تم نے میرے بھائی (عباسؑ) میری اولاد اور میرے دوستوں کو قتل کر ڈالا۔ اب بجز اس ننھے سے بچے کے کوئی باقی نہیں ہے پیاس اس کو ہلاک کئے دیتی ہے اس کو تو تھوڑا سا پانی پلا دو۔

امام یہ فرما ہی رہے تھے کہ اسی اثنار میں ایک تیر آیا اور اس نے علی اصغرؑ کو ذبح کر ڈالا۔ اس واقعہ کو بھی ابو مخنف کے الفاظ میں پیش کرتا ہوں:-

نبیھا ہو نیحاطبھم اذا تاہ سہم مسموم لہ ثلث شعب من شقی میشومؑ فذبح الطفل من الاذن الی الاذن۔

امام حسینؑ ابھی لشکر سے یہی کلام کر رہے تھے کہ اسی اثنار میں میشوم نے سہ شعبہ زہر میں بُجھا یا ہوا تیر لگایا اور علی اصغرؑ باپ کے ہاتھوں پر اس طرح ذبح ہو گئے کہ ایک کان سے دوسرے کان تک ننھا سا حلقوم کٹ گیا۔

قبل ازیں کہ میں عبارت مندرجہ بالا سے استنباط نتائج کروں مناسب یہ ہے کہ میں مقتل ابی مخنف یحییٰ کے بارے میں چند سطریں بھی لکھ دوں۔

مقتل ابو مخنف مقاتل میں مستند ترین مقتل ہے اس مقتل کے معتبر و مستند ہونے پر سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ طبری ایسے متعصب اور دشمن آل رسولؐ مورخ نے مقتل ابو مخنف کو اپنی تاریخ میں جزاً و کلیتہً نقل کیا ہے و نیز دیگر مورخین نے بھی۔ ابو مخنف کا باپ یحییٰ حضرت علی علیہ السلام کے صحابیوں میں سے ایک صحابی تھا۔ خود ابو مخنف نے بے اختلاف مورخین حسنین علیہم السلام کا زمانہ دیکھا تھا۔ علاوہ بریں شیعہ مورخین اور محدثین بالاتفاق اس مقتل کو مستند اور معتبر سمجھتے ہی ہیں۔

اب میں مندرجہ عبارات سے ماخوذ نتائج پیش کر کے اپنے اصلی موضوع کو بیان کرنا چاہتا ہوں۔

(۱) حضرت علی صغرؑ کو امام نے بہن ام کلثومؑ سے مانگ کر آغوش میں لیا (۲) حضرت ام کلثومؑ خواہر امام حسینؑ نے علی صغرؑ کی تین دن کی پیاس کی شہادت امام کے روبرو دی۔

(۳) امام حسینؑ نے ام کلثومؑ کو علی صغرؑ کے بارے میں وصیت خیر رسانی اور یہ بھی ذکر فرمایا کہ علی صغرؑ کی عمر صرف ۶ ماہ کی ہے۔

(۴) امام حسینؑ لشکر یزید کے سامنے علی صغرؑ کو لائے اور بچہ کے لیئے سوال آب کیا۔

(۵) علی صغرؑ کی شہادت کے وقت تک امام حسینؑ کی اولاد، بھائی اور انصار کل شہید ہو چکے تھے اور آخری شہید صرف علی صغرؑ تھے۔

(۶) امام کے سوال آب پر ایک شقی نے زہر میں بجھا ہوا تیر مارا اور امام حسینؑ کے دست ہائے مبارک پر بچہ ایک کان سے دوسرے کان تک ذبح ہو گیا۔

(۷) ابو مخنف نے جو کچھ سے نذرانہ پیش کیا اور اس کے ماخوذ و مستنبط نتائج پیش کیئے ان سے موجودہ تصنیف تالیف در بارے بہت کام ہوگا ان کا خاتمہ ہو جاتا ہے اور اختلاف روایات کا بھی خاتمہ ہو جاتا ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر امام حسینؑ نے بوقت روانگی مدینہ اس ۲۴ روز کے بچہ کو فاطمہ صغریٰ کے بدن سپرد نہ کر دیا یا حضرت ام سلمیٰ اپنی جدہ ماجدہ کی گود میں پرورش کے لیئے کیوں نہ دیا۔ مدینہ سے روانگی کے وقت بیمار بیٹی نے تو بہت اصرار کیا تھا اور گود سے واپس ہی نہیں کرتی تھیں۔ اچھا تھا کہ بیمار بیٹی کا دل بھی بہل جاتا اور علی صغرؑ کی جان بھی بچ جاتی۔ اگر یہ کہا جائے کہ امام حسینؑ کو (نعوذ باللہ) یہ معلوم تھا مہمان بلانے والے یہ ظلم کریں گے تو امام حسینؑ نے جس وقت منزل بمنزل بلکہ شب نہم محرم جب اصحاب اور رفقا کو واپس جانے کا مشورہ دیا ہے اور بہت سے شمع گل کر دینے کے بعد واپس چلے بھی گئے ہیں (انھیں میں) سے کسی کو علی صغرؑ کو سپرد کر دیا ہوتا۔ اگر یہ کہا جائے کہ پریشانی میں ایسا خیال ہی نہ آیا تو امام نے خود ہی شمع گل کر کے فرمایا تھا کہ اے میرے رفقا و انصار میں تمہاری واپسی اس لیئے نہیں چاہتا کہ تم سے ناراض ہوں بلکہ اگر تمہارا ایسا خیال ہو تو میرے اہل بیت میں سے بھی بعض کو اپنے ہمراہ لیتے جاؤ ان کو مدینہ پہونچا دینا۔ اور اگر یہ خیال کیا جائے کہ یہ سب کچھ تو ہو چکا تھا اور وقت گزر چکا تھا تو کم از کم یہی کیا ہوتا کہ اس ننھے سے چھ مہینہ کے بچہ کو میدان جنگ میں ہی نہ لائے ہوتے کہ اس کی جان بچ جاتی۔ ایسے فاسد خیالات اور بودے و کمزور اعتراض انھیں اشخاص کے دل میں پیدا ہوتے ہیں اور زبان پر آتے ہیں جن کو امام حسینؑ کی معرفت نہیں ہے اور جو امام کے کارنامہ کی روحانیت سے ناواقف ہیں۔

کیونکہ امام حسینؑ دین الٰہی کو قیامت تک محفوظ رکھنے کے لیئے بندوبست فرما رہے تھے جس طرح ایک مالی گلدستہ بناتے وقت پھولوں کے ساتھ لپٹ جانے والے خس و خاشاک کو نوچ کر پھینک دیتا ہے اسی طرح امام حسینؑ منزل بمنزل ساتھ آجانے والے اشخاص کو جو اغراض سفر امام سے واقف نہ تھے واپس فرما دیتے تھے اور جس طرح مالی گلدستہ بناتے وقت کم رنگ اور معمولی پھولوں کو بھی خوش رنگ اور خوشنما رنگوں سے علیحدہ کرتا جاتا ہے اسی طرح امام حسینؑ نے گلدستۂ شہادت کو نظر قدرت میں پیش کرنے کے لیئے شب نہم محرم کو بھی بہت سے رفقا کو شمع محفل امامت گل کر کے واپس ہونے پر مجبور کر دیا۔ بات یہ تھی کہ امام حسینؑ گلدستۂ شہادت کو اس طرح سجنا چاہتے تھے کہ جو رنگ و خوشبو و تاثرات میں ہر سابقہ گلدستہ

شہادت سے زیادہ نظر قدرت کو اپنی طرف متوجہ کر سکے۔ امامؑ کے سامنے آدمؑ سے لیکر حضرت عیسیٰؑ تک انبیاء کی قربانیاں تھیں مگر حسینؑ نے دیکھا تھا کہ وہ قربانیاں کامیاب تو ضرور ہوئیں مگر ان کا اثر اتنا ہی ہوا کہ نبی یا رسولؐ کی آنکھ بند ہوتے ہی گلدستہ شہادت یا قربانی کا رنگ و خوشبو اڑ گئی۔ لہذا امام حسینؑ نے تا قیامت باقی رہنے والے نبیؐ اور قیامت تک باقی رہنے والے دین مبین کے لئے ایک ایسا گلدستہ شہادت ترتیب دیا کہ سابقہ سب گلدستے اس کے مقابلہ میں کم رنگ ثابت ہوگئے۔

بہرحال امام حسینؑ اس آخری گلدستہ شہادت کو سجنے کے لئے جس طرح ہر خوش رنگ اور ہر بڑے سے بڑے پھول کی طرف متوجہ تھے اسی طرح اس گلدستہ کی زینت کو دوبالا کرنے کے لئے ہر چھوٹی سی چھوٹی کلی اور ہر خوش رنگ غنچہ کے بھی متلاشی تھے اس لئے جب امام حسینؑ اولادؑ، رفقاءؑ، انصارؑ، جوان کڑیل بیٹے اور برابر کے عباسؑ جیسے بہادر بھائیوں کے خون سے گلدستہ شہادت میں خون بھر چکے تو فوراً خیال آیا کہ اس گلدستہ پر نمایاں طور پر چمکنے والی خوش رنگ کلی کو بھی گلدستہ کے بیچ میں لگایا جائے۔

آپ علی اصغرؑ کو میدان میں لائے اور ایک جرعہ آب کا سوال کیا۔ جو کچھ ملا وہ دنیا جانتی ہے کچھ ہی دیر گزری تھی کہ عالم نے دیکھا کہ حسینؑ یک و تنہا ۳۰ ہزار کے دشمن کے لشکر میں کھڑے ہیں اور ایک ننھے سے بچہ کے حلق سے جو خون نکلتا ہے اس کو آسمان کی طرف پھینک دیتے ہیں یا اس خون سے حسینؑ کا سینہ اور ریش مبارک اور لباس تربتر ہے۔ اس دردناک منظر کو بھی ابو مخنف نے اپنے مقتل میں ان الفاظ میں لکھا ہے:-

فجعل الحسین تلتقی الدم بکفیہ ویرمیہ فی الھوا و یقول اللھم انی اشھدک علی ھولاء الملاعین قد ماردوا ان لا یبقی احد من ذریۃ نبیک

پس امام حسینؑ علی اصغرؑ کے خون کو چلو میں بھر لیتے تھے اور بجانب آسمان پھینک دیتے تھے اور فرماتے تھے اے خدا گواہ رہنا کہ اس قوم ملعون نے یہ ارادہ کر لیا ہے کہ تیرے نبی کی اولاد میں سے کسی کو زندہ نہ چھوڑیں گے۔

اہل عالم نے شہادت حسینؑ کے وقت بھی دیکھا اور اہل عالم قیامت تک بھی دیکھتے رہیں گے اور اس بیکس امام پر خون کے آنسو بہاتے رہیں گے جو یک و تنہا میدان کربلا میں تیس ہزار لشکر کے سامنے کھڑا ہے اس کے بھائی، بیٹے، بھانجے اور نوجوان بھتیجے سب راہ حق میں گردنیں کٹائے ریگ گرم کربلا پڑے ہوئے ہیں اور وہ خود زخمی تین دن کا بھوکا پیاسا ایک چھ مہینہ کے بھوکے پیاسے بچہ کو گود میں لئے ہوئے ہے اور کہہ رہا ہے کہ اے میرے نانا کے کلمہ گو اور اپنے کو مسلمان کہنے والو! ذرا انصاف کرو کہ اگر میں تمہارے زعم باطل میں قابل رحم نہیں ہوں تو یہ معصوم بچہ تو ہر قوم و ملت کے انسانوں کی نظر میں قابل رحم ہے۔ اس کو تھوڑا سا پانی پلا دو مگر اس مظلوم کو اس کی اس التجا کا جواب یہ ملتا ہے کہ اس کے اس معصوم بچہ کو تیر سہ شعبہ سے اس کی گود میں ذبح کر دیا جاتا ہے اور یہ مظلوم نبی زادہ اس بچہ کے خون کو چلو میں بھر کر سوئے آسمان پھینک رہا ہے اور اس کے خون میں نہا جاتا ہے۔

جب یہ منظر اور یہ واقعات مسلم تو مسلم کافر، یہودی، عیسائی، ہندو اشخاص کے سامنے آتے ہیں تو وہ خون کے آنسو رونے لگتے ہیں۔

اگر امام حسین علیہ السلام علی اصغرؑ کو میدان میں نہ لاتے تو غیر مسلم تو درکنار خود مسلمان جو یزید کے رعب جلال ظاہری سے مرعوب تھے اور آل رسولؐ کے خون کے پیاسے تھے اور ان کے ہم خیال اب تک موجود ہیں۔ امام حسینؑ کی جنگ کو دو شہزادوں کی جنگ قرار دے کر صفحات تاریخ میں دفن کر دیتے اور اس عظیم الشان قربانی کو ہمیشہ کے لئے فنا و برباد کر دیتے۔ لیکن علی اصغرؑ کا میدان میں آنا تھا اور خشک ہونٹوں پر زبان کا پھرانا تھا کہ لشکر یزید کے بعض اشخاص منہ پھیر کر رونے لگے اور یزید کے ظلم و جور اور استبداد پر عالم انسانیت گواہ بن گیا۔

امام حسینؑ کے جہاد بالمنافقین کے بارے میں ہزاروں قسم کے بہانے تراشے جاتے ہیں، مگر جب علی اصغرؑ کی شہادت اور امام مظلوم کا اس بچہ کے لئے طلب آب کا ذکر آ جاتا ہے تو منافقوں کے سرگروہ مورخ بھی سکتہ کے عالم میں ہو جاتے ہیں اور یہی کہتے بن پڑتا ہے "حسینؑ کی جنگ، جنگ نہ تھی بلکہ صرف حقانیت اسلام کا مظاہرہ تھا۔

امام حسینؑ نے علی اصغرؑ کو میدان میں لا کر یہ امر واضح کر دیا کہ پیغمبر اسلام کے احکام اور دین اسلام میں بعد رسول تحریفات و تصرفات کئے گئے تھے اور اسلام کے حلال کو حرام اور حرام کو حلال کر دیا گیا تھا اور اسلام میں در پردہ ایک جماعت پیدا ہو کر روحانیت اسلام کو فنا کرنا چاہتی تھی۔ یہی وہ جماعت تھی جس کو خدا نے منافقین کے نام سے یاد کیا تھا۔ یہ جماعت بظاہر مسلمان تھی مگر تعلیمات اسلامی سے اس قدر متنفر تھی کہ رواداری اور مروت اسلامی تو درکنار اس جماعت میں انسانیت اور عرب کی سابقہ مروت بھی باقی نہ تھی۔ اگر یہ جماعت برسر اقتدار رہے گی تو ہمیشہ کے لئے اسلام فنا و برباد ہو جائے گا۔ لہذا امام حسینؑ نے راہ خدا میں بھرا گھر لٹا کر عالم انسانیت اور دنیائے اسلام پر ہمیشہ کے لئے یہ امر واضح کر دیا کہ جو منافق شریعت اسلامی اور احکام ربانی اور مرضی سبحانی کے خلاف بندہ نفس ہو جاتے ہیں وہ اگرچہ مسلمان بھی ہوں مگر وہ حق پر نہیں ہیں اور اہل عالم کو حق و باطل کے فیصلے میں اس گروہ کے کردار کو اسلام کے مقابلہ میں سند نہیں ماننا چاہیئے۔ اور اہل اسلام کو ہمیشہ یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ ظاہری خلافت چاہے اس میں کتنا ہی رعب و جلال ظاہری ہو تسلیم کرنے کے قابل نہیں ہے ....

....

امام حسین علیہ السلام کا علی اصغرؑ کو میدان کربلا میں لانا دراصل امام حسینؑ کی بیگناہی اور بے بسی پر دلالت کرتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ امام حسینؑ ارادہ جنگ سے کوفہ تشریف لا رہے تھے مگر جب یہ دیکھا جاتا ہے کہ حسینؑ ہر منزل پر اپنے رفقاء کو واپس کرتے جا رہے ہیں اور تین دن بھوکے پیاسے رہ کر ایک ایک کر کے اعزا اور انصار کو راہ حق میں قربان کر رہے ہیں اور آخر میں اپنے ششماہہ بچہ کے لئے طلب آب کر رہے ہیں اور وہ بجائے پانی دیئے جانے کے شہید کر دیا جاتا ہے تو ہر ناواقف پر بھی واضح ہو جاتا ہے کہ امام حسینؑ جنگ کے ارادہ سے نہ تشریف لائے تھے اور نہ وارد کربلا کے بعد جنگ چاہتے تھے بلکہ صرف اسلام کی بقا کے لئے منافقین کے بڑھتے ہوئے سیلاب کفر و نفاق و استبداد کو اپنی مظلومیت سے فنا کرنا چاہتے تھے چنانچہ وہی ہوا جو اس برگزیدہ خدا نے سوچا تھا۔ یزید مع اپنی خلافت اور استبداد کے ہمیشہ کے لئے ملعون اور مردود قرار پا گیا اور قیامت تک کے آنے والے انسانوں کے لئے راہ حق و باطل میں امتیاز کرنے کے لئے ایک شاہراہ بن گئی جو انسان خدا کی خوشنودی، عالم امن پسندی کو پسند کریں گے وہ حسینؑ کے کردار اور کارنامہ پر عمل کریں گے اور جو لوگ ظاہری شان و شوکت، چند روزہ امارت و ثروت اور وقتی عیش و عشرت کے دلدادہ ہوں گے وہ مسلمان کہلاتے ہوئے بھی یزیدی طرز عمل پر گامزن ہوں گے، حقوق انسانی کا غصب کر لینا، بندگان خدا پر ظلم و جور کرنا، بے ایمانی، مکاری، عیاری اور بد اخلاقیوں کو اپنا مسلک بنا کر مثل یزید ملعون اور مردود قرار پانا ان کا شعار ہو گا۔

آخر میں امام حسین علیہ السلام کے ایک فقرہ کا ذکر کرتے ہوئے میں اپنے مضمون کو تمام کرنا چاہتا ہوں۔ امام نے شہادت علی اصغرؑ کے وقت فرمایا کہ :-

"اے خدا گواہ رہنا کہ میرے اس معصوم بچہ کو بھی ملاعین نے شہید کر دیا یہ قوم جفا کار یہ چاہتی ہے کہ تیرے محبوب نبی کی ذریت میں سے کسی کو روئے زمین پر زندہ نہ چھوڑے۔"

اے ہم شیعوں کے آقا اور مظلومؑ امام۔ ہم آپ کو یقین دلاتے ہیں کہ ہم اور ہماری اولادیں عام اس سے کہ ہم آپ کی اولادیں اور سید و آل رسولؐ ہوں یا ہم آپ کے نانا کی امت کہلانیوالے ہم سب آپ کی ذریت اور آپ کی شہادت اور امامت و نیز خدا کی وحدانیت اور انبیاء کی رسالت و نبوت کو تاظہور حضرت حجتؑ زندہ رکھیں گے اور ہمیشہ اس غرض و مقصد کے لئے اپنے خون کے آخری قطرہ کو تیری محبت پر نثار کرتے رہیں گے۔" (انشاءاللہ)

شبر کے آرام کو دریا کا ساحل چاہیئے

(صدرالشعراء جناب سید صدرالاسلام صاحب ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس کانپور)

ماتم سبط پیمبرؐ کیلئے دل چاہیئے
بلکہ اہلِ دل کی اک مقبول محفل چاہیئے

کہتا تھا اجلال عباسِ علی کا وقت جنگ
شبر کے آرام کو دریا کا ساحل چاہیئے

ہمتِ شبیرؑ کا یہ قول تھا وقت سفر
اک مصیبت ہر نفس منزل بمنزل چاہیئے

اشکِ غم جو آنکھ سے ٹپکے وہ ہو تصویر روح
ماتم شبیرؑ میں رونے کو بھی دل چاہیئے

حق تو یہ ہے دیکھنے کو سینۂ اکبرؑ کا گھاؤ
امِ لیلا کا کلیجہ باپ کا دل چاہیئے

آنکھ کوئی کیا ملائے جنگ میں عباسؑ سے
یہ وہ جرأت ہے کہ جس کو شیر کا دل چاہیئے

حشر میں دستِ بریدہ حضرت عباسؑ کے
کہہ رہے ہونگے ہمیں دامانِ قاتل چاہیئے

نزع میں وردِ زباں ہو یا علیؑ و یا حسینؑ
یہ وظیفہ ہم کو بہر حلِ مشکل چاہیئے

تشنگانِ کربلا کے غم میں رونا ہے ہمیں
آنکھ سے بہتا ہوا خونِ رگِ دل چاہیئے

لذتِ ذوق شہادت میں یہ کہتے تھے حسینؑ
کند خنجر چاہیئے بیدرد قاتل چاہیئے

کربلا والوں کا حال اے صدر پڑھنے کیلئے
چشم گریاں چاہیئے ٹوٹا ہوا دل چاہیئے

حسینؑ اور جاذبیت قلب

(از جناب سید شمیم حیدر صاحب جعفری سیتاپور)

دنیا میں بہت سے ایسے واقعات ملتے ہیں کہ وہ اپنی طرف انسان متاثر کرکے کھینچ لیتے ہیں لیکن حسینی واقعہ اس سے بھی فزوں تر یعنی انسانی قلوب کو اپنے اثر سے صرف کھینچ ہی نہیں لیتا بلکہ اپنا گرویدہ بنا لیتا ہے۔ یا یوں کہیئے کہ اپنی مظلومی سے واقعۂ حسینی ہر مذہب و ملت پر اپنا سکہ بٹھائے ہوئے ہے اگر کسی شاعر کی رباعی کا یہ شعر اس مظلوم حسینؑ کی طرف منسوب کیا جائے تو شائد میں کسی حد تک ٹھیک ہوں۔

مانا نہیں جس نے تجھکو جانا ہے ضرور ؛ بھٹکے ہوئے دل میں بھی ہے کھٹکا تیرا

الحاصل اگر حسینؑ مظلوم کی امامت اور مصیبت کے منکر دنیا میں ہیں تو اگر ان سے ایمان سے دریافت کیا جائے تو کم سے کم وہ اتنا کہنے پر راضی ہی ہو جائیں گے کہ ہاں حسینؑ قابل عزت ہیں کیونکہ جناب محمد عربی کے نواسے ہیں جس سے یہ معلوم ہوا کہ دنیائے اسلام ان کی عزت یونہی کرتی تو ہے' یا یوں کہیئے کہ در حسینؑ پر ہر ایک آسکتا ہے۔ یہی نہیں اگر عام انسانی قلوب کسی ایک مقام پر آکر جھکتے ہیں تو وہ در حسینؑ ہی ہے۔

دنیا میں ہر انسان جس قدر رنج سے اثر لیتا ہے خواہ اپنا ہو یا دوسرے کا اتنا کسی اور طریقہ سے متاثر نہیں ہوتا۔ مثلاً اگر کوئی شخص کسی راہ سے گزرے اور کسی عالیشان عمارت کو دیکھے تو یقیناً وہ اس عمارت کی تعریف کرے گا لیکن اگر چند یوم کے بعد پھر وہ اسی راستے سے گزرے اور اس عمارت کو شکستہ دیکھے تو یقیناً وہ یہ دریافت کرے گا کہ بھائی اس عمارت کو آج میں ایسا کیوں دیکھ رہا ہوں اس کو کچھ بھی جواب ملے لیکن دل میں اس عمارت کی مصیبت پر افسوس کرنے کے لئے مجبور ہو جاتا ہے اور بعد اظہار افسوس پھر اپنے راستہ پر اسی کا سوچ کرتا ہوا چلا جاتا ہے کہ دیکھو اس عمارت کے گرنے سے یہ جگہ کتنی سونی ہو گئی۔ علاوہ ازیں جب ہمارے پیش نظر واقعات انبیاء آتے ہیں تب ہمارے قلوب ان کی مصیبت سے متاثر ہوکر ہم رونے لگتے ہیں' جیسے جناب ابراہیم کا آگ میں ڈالا جانا کس قدر قیامت خیز منظر رکھتا ہے لیکن پھر اس کے بعد حکم الٰہی سے آگ کا ان پر اتنا ٹھنڈا ہو جانا کہ ان کو نقصان نہ پہونچے یہ کس قدر خوشی کی بات ہے اور جناب ابراہیم علیہ السلام کی قدرومنزلت درگاہ رب العزت بتلاتی ہے اسی طرح سوا ختم المرسلین کے ہر نبی کی زندگی میں تکلیف کے بعد راحت ملی لیکن باوجود اس راحت کے جب ان انبیاء اولوالعزم کی تکالیف ہمارے سامنے بیان کی جاتی ہیں ہم رونے پر مجبور ہو جایا کرتے ہیں یا یوں کہیئے کہ ہمارے قلوب ان کی طرف کھنچ جایا کرتے ہیں تو پھر اس اتنی تکلیف پر ہم اتنا اثر لیتے ہیں تو اگر ہم کو کوئی نائب رسولؐ کی زندگی مصائب سے پُر ملے تو کیا ہم لوگوں کے قلب اس طرف نہ کھچیں گے نہیں نہیں تمام دنیا اس طرف کھنچ جائے گی۔

کون ذات جس کی قدرومنزلت یہ کہ قرآن نازل ہوا اور وہ پیدا ہو جس سینہ میں قرآن چھپا ہو اس کے بیٹھنے کا مقام' جب قرآن پارہ پارہ ہو وہ کربلا میں جان دے کر پامال ہو۔ اگر وہ زمانہ آجائے کہ قرآن نیزہ پر بلند کیا جائے تو اس کے پیچھے قرآن کے حامی کا سر ہو۔ یہ ذات کس کی وہی حسینؑ جس کی مصیبت پر آج قلوب انسانی گریا کر رہے ہیں۔

حسینؑ جس نے اپنا خون اسلام کی کھیتی کے لئے وقف کر دیا تھا۔ رسولؐ خدا کی ہر بات پر عمل کر دکھایا۔ اگر رسولؐ مباہلہ کے میدان میں حسینؑ کو گود میں لئے ہوئے تھے تو کربلا میں بھی حسینؑ ایک چھوٹے حسینؑ کو لائے ہیں' اگر مباہلہ کے میدان میں حسینؑ و دیگر بزرگواروں کو نصرانی دیکھکر یہ کہہ بھاگے کہ بھائی ہم ان کا مقابلہ نہ کرسکیں گے اسی طرح اس چھوٹے

حسینؑ کو دیکھ کر ظالم رُونے لگے جب تو سالار لشکر یزید کو کہنا پڑا کہ اے حرملہ حسینؑ کے کلام کو قطع کر دے ورنہ حشر بپا ہو گا۔

حسینؑ تو کہہ چکے تھے کہ اگر نانا کے بچے لائے ہوئے دین اسلام پر آنچ آئے تو کیا میں کچھ عزیز رکھوں گا اور اس پر سے کیا نہیں نثار کر دوں گا اگر اس زمانہ میں رسولؐ ہوتے تو یقیناً اپنی جان اس دین سے عزیز نہ رکھتے اسی صورت سے ان کے نہ ہوتے ہوئے میں ہمشکل رسولؐ کی نوجوانی کی موت پسند کرتا ہوں اور اگر اس اسلام پر آنچ آئے تو عباسؑ تجھکو تین دن کا بھوکا پیاسا لب فرات اپنے شانے دینے ہوں گے اور اے صغیر تم کو تو تیر کھانے کے بعد مسکرانا ہے اور اے دختران حیدرؑ کرارؑ تم لوگوں کا حصہ صرف اتنا ہے کہ تم میرے مقصد کی اشاعت سر برہنہ ننگے اونٹوں پر کوفے شام اور کربلا سے کوفہ کرو۔ یہی نہیں بلکہ ننگے سر دربار یزید میں بیمار بیٹے کے ساتھ جانا ہو گا لیکن اف نہ کرنا تم سب کا کام اور آیات قرآنی کا دُہرانا کٹے ہوئے سر سے نیزہ پر میرا حصہ رہے گا۔

یہی تمام باتیں ایسی ہیں کہ جن کو دیکھ کر خواجہ صاحب نے کہہ دیا کہ :-

شاہ است حسینؑ بادشاہ است حسینؑ
دین است حسینؑ دین پناہ است حسینؑ

سر داد نداد دست در دست یزید
حقا کہ بنائے لا الہ است حسینؑ

معلوم ہوا کہ جس قدر جاذبیت قلب اس حسینی کارنامے میں ہے کسی دوسرے کارنامے میں نہیں پائی جاتی ہے جب ہی تو کسی نے کہا ہے :-

دنیا کو ایک راہنما کی تلاش ہے
ہاں وہ فقط حسینؑ ہے تنہا حسینؑ ہے

سلام

(از جناب غلام حسین صاحب آثم کاسٹی سی، پی)

اگرچہ آرزوئے عابد دلگیر ہو جاتی
زمانے کی ہر اک شئے حامل زنجیر ہو جاتی

جہاں یہ چاہتے لیں انتقام سید والا
عصائے حضرت موسیٰ وہیں زنجیر ہو جاتی

نگاہ قہر آلودہ اگر کرتے یہ اعدا پر
کسی کے حق میں خنجر اور کسی کے تیر ہو جاتی

سوائے حق نہ کی پروا کسی کی عترت شبیر نے
وگرنہ خاک صحرا چادر تطہیر ہو جاتی

غضب ہے قتل ہوں شبیرؑ اور ہوں سامنے زینبؑ
صبا اے کاش تو ہی حائل شبیرؑ ہو جاتی

بوقت ذبح آکر گر برس جاتا کوئی قطرہ
فلک کچھ تو تسلیٔ شہ دلگیر ہو جاتی

پس مردن مرا مدفن جو ہوتا کربلا آثم
مسیحا کی قسم مٹی مری اکسیر ہو جاتی

سفینۂ دین

(جناب قربان حسین صاحب قربآن مہوسی، آئی)

سلامی جو کہا شبیرؑ نے وہ کر دکھایا بھی — رہِ حق میں صداقت کے لئے سر کو کٹایا بھی
پئے اُمت بھرا گھر سامنے اپنے لٹایا بھی — سفینہ دیں کا طوفاں کے تھپیڑوں سے بچایا بھی
بچایا بھی سنبھالا بھی کنارے سے لگایا بھی

غرض تھی جانکنی کے حال میں اسلام کی دنیا — یہ منظر کس طرح ابن علیؑ تو دیکھ سکتا تھا
نیر اخوں جوش میں آنے لگا پھر کس کی تھی پرواہ — لہو سُوکھے گلے کا دیکے اُمت کو جِلایا بھی
جِلایا بھی ہمیں اپنا بنایا بھی نبھایا بھی

نہیں ممکن کہ اب عالم میں وہ عباسؑ پیدا ہو — وفا خود جس پہ نازاں ہو بشر اب کوئی ایسا ہو
شجاعت کا عرب میں جس کی ہر سو ڈنکا بجتا ہو — مگر اُمت کے خاطر ایسے بھائی کو کٹایا بھی
کٹایا بھی گنوایا بھی جبیں پر بَل نہ آیا بھی

جواں بیٹے کے سینے سے کوئی برچھی نکالے تو — لہو کی دھاریں بہتی دیکھ کر دل کو سنبھالے تو
پدر کوئی یہ عالم دیکھ کر آنسو دبالے تو — مگر ابن علیؑ نے بیٹے کا لاشہ اٹھایا بھی
اُٹھایا بھی سنبھالا بھی گلے جھک کر لگایا بھی

سوالِ آب پر یوں گردن بے شیر چھِد جائے — زباں ننھی سی سُوکھے ہونٹوں پر باہر نکل آئے
تڑپ کر بے زباں ہاتھوں پہ وہ پیاسا ہی مرجائے — لحد میں باپ نے اپنے ہی ہاتھوں سے اُتارا بھی
اُتارا بھی چھپایا بھی مگر دل کو سنبھالا بھی

چلے خیمے سے جب ابن علیؑ خود سر کٹانے کو — کہا عابدؑ سے اے بیٹا چلے ہم پھر نہ آنے کو
حرم کو اب تمھیں سونپا تمھیں ظالم زمانے کو — یہ کہکر عابدِ بیمار کو غش سے اُٹھایا بھی
اُٹھایا بھی سنبھالا بھی اسے سینے لگایا بھی

چراغِ نور گُل کر کے چلے خیمے جلانے کو — یزیدی آتے ہیں بیمار کو قیدی بنانے کو
رِدا کو چھین کے زینبؑ کو ننگے سر پھرانے کو — مگر بیمار نے طوقِ گراں ہنس کر اُٹھایا بھی
اُٹھایا بھی مگر حرفِ زباں لب پر اُف نہ لایا بھی

محافظِ اسلام حضرت امام حسینؑ کی رفاقت میں جناب عباس علمدار کے سرفروشانہ اقدامات

نفسیاتی نقطۂ نظر سے

(از جناب سید سبط حسن صاحب انجم پوری پوسٹل اسسٹنٹ دھنباد)

مولود کعبہ جناب علی ابن ابی طالب علیہ السلام نے دنیائے آب و گل میں جو پہلی صورت دیکھی وہ احمد مجتبیٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا روئے انور تھا۔ ادھر محمدؐ نے آغوش محبت پھیلائی اُدھر علیؑ نے ہمک کر اپنی معصوم ہستی سرور کائنات کے سپرد کر دی۔ آنکھیں چار ہوئیں اور اشاروں ہی اشاروں میں محبت، رفاقت، وفاداری اور جاں نثاری کے کچھ ایسے عہد و پیماں ہوئے کہ جن کی وسعت، اور اہمیت کا صحیح اندازہ لگانے سے دنیا آج تک قاصر ہے۔ محبوب خدا اپنے محبوب بھائی کو سینہ سے لگائے ہوئے شکر خدا ادا کر رہے ہیں۔ رحمت یزداں تبسم ریز ہے اور قدرت اپنی اس بہترین تخلیق پر خود ناز کر رہی ہے۔

(۲)

اشاعت اسلام کی راہ پر گامزن ہونے سے پہلے بانیٔ اسلام جناب رسالتمآبؐ کی رفاقت کے لئے قدرت نے ایک ایسا منتخب روزگار رفیق سفر خلق کیا جو اسلام کے ہر آڑے وقت میں کام آیا۔ دنیا بانیٔ اسلام سے خالی ہو چکی تھی لیکن ابھی اس کا پختہ کار رفیق سفر سخت ترین شدائد اور ظلم و تعدی کے بے پناہ طوفان کے باوجود کشتیٔ اسلام کو گرداب بلا سے بچاتا شمع ہدایت کی روشنی میں کھیتا ہوا ساحل کی طرف جوانانہ عزم و استقلال کے ساتھ بڑھتا ہی چلا جا رہا تھا کہ تاریخ پھر اپنے آپ کو دُہرا رہی تھی ــــ خانۂ کعبہ میں نہ سہی لیکن خانۂ مولود کعبہ میں جناب ام البنین کے بطن مبارک سے قدرت ایک اور پیکر رفاقت خلق کر رہی تھی۔ کس کی رفاقت کے لئے؟ ــــ حفاظت اسلام کی دشوار ترین راہ پر قدم رکھنے سے پہلے محافظ اسلام نواسہ جناب رسالتمآبؐ کی رفاقت کے لئے۔ بھلا آرزو اور وہ بھی علیؑ کی آرزو، حوصلہ اور وہ بھی اشجع العرب کا حوصلہ۔ قدرت اپنے محبوب بندہ کو مایوس کرنا نہیں جانتی۔ حسینؑ کمسن ہی تھے کہ عباسؑ کی رفاقت حاصل ہو گئی۔ بہادر قبیلہ کا بہادر بچہ حسینؑ کی نصرت کا پروانہ لیکر آ ہی گیا۔ حسینؑ مسکراتے ہوئے مولود کے قریب پہونچے۔ کان میں اذان فرمائی۔ لعاب دہن مبارک اسی طرح جس طرح محمدؐ نے علیؑ کو دیا تھا قبل شیر مادر دیا۔ سینہ پاک سے اٹھا لیا۔ عباسؑ نے آغوش حسینؑ میں جاتے ہی بند آنکھیں کھولدیں۔ آنکھیں چار ہوئیں اور پھر اشاروں ہی اشاروں میں یہاں بھی محبت، وفاداری اور جان نثاری کے بڑے بڑے عہد و پیمان باندھے گئے۔

کون باپ ہوگا جو اپنے دل کے ٹکڑوں کو اس عالم میں دیکھ کر فرط مسرت سے پھولا نہ سمائے گا۔ لیکن سُنتے ہیں کہ اس وقت جناب امیرؑ کی آنکھوں میں آنسو اُمنڈ اُمنڈ کر آتے رہے اور آپ دیر تک آسمان کی طرف دیکھتے رہے۔ کون جانے یہ آنسو خوشی کے تھے یا غم کے۔

(۳)

حضرت عباسؑ کی پرورش اور تعلیم جناب سید الشہداء نے اپنے ذمہ لے لی۔ ابھی دونوں بھائی جوان بھی نہ ہونے پائے تھے کہ ابن ملجم کی زہر آلود تلوار نے بانیٔ اسلام کے رفیق سفر کو سفر آخرت کی راہ پر ڈالدیا۔ دو روز امید و بیم میں گزرے۔ مولائے دوجہاں کی حالت متغیر ہوتی جا رہی تھی کہ بیٹوں سے وصیت ارشاد فرمائی جانے لگی۔ حسنؑ! دیکھو حسینؑ کو کوئی گزند نہ پہونچے۔ چھوٹی بہنوں

خاص خیال رکھنا۔ بیٹا میں تمہارے نانا کے پاس جارہا ہوں۔ میرے بعد تم امام ہو۔ اب یہ گھر تمہارے حوالے ہے اور تمہیں ان سب کے ساتھ خدا کے حوالہ کرتا ہوں کہ حقیقی وارث و نگہبان وہی ہے زخم کی شدت سے زبان ایک وقفہ کے لئے رُک گئی تھی کہ جناب ام البنین باحال پریشان حضرت کے نزدیک تشریف لائیں اور یوں گویا ہوئیں' میرے والی (عباسؑ) کے حق میں کیا ارشاد ہوتا ہے؟ کلمات وصیت پھر جاری ہوئے۔ بیٹا حسینؑ! عباسؑ کو تمہارے سپرد کرتا ہوں بڑے آڑے وقت میں یہ تمہارے کام آئے گا۔۔۔ اولاد علیؑ کے لئے پیام پہنچ آچکا تھا۔ مشیت الہٰی پر کسی کو کوئی اختیار نہیں خواہ وہ انبیاءؑ اور اولیاءؑ اوصیاء ہی کیوں نہ ہوں۔

(۴) زمانہ اب اس دور سے گزر رہا تھا جبکہ عزت اسلام خطرہ میں تھی' نہ رسولؑ زندہ تھے' نہ علیؑ اور نہ حسنؑ' خاصان آل عبا میں ایک حسینؑ باقی تھے وہ بھی یزید پلید کی نظروں میں کانٹے کی طرح کھٹک رہے تھے۔ معاویہ کی دیرینہ آرزو پوری ہو چکی تھی۔ یزید مطلق العنان بادشاہ تھا راستہ پہلے ہی سے ہموار ہو چکا تھا۔ یزید نے لالچی لوگوں کے کس بل پر مجاور لحد رسولؑ پاس بیعت کا پیغام بھجوا ہی دیا۔ حسینؑ مظلوم مدینہ چھوڑ رہے ہیں۔ حفاظت اسلام کی دشوار ترین راہ پیش نظر ہے اہل وطن سے آخری سلام و مصافحہ کے بعد مخدرات عصمت و طہارت ناقوں پر سوار کی جارہی ہیں' پردہ اور سواری کا اہتمام جناب عباسؑ کے سپرد ہے' فراشوں کو تاکید ہے کہ پردہ کی قنات سے خبردار رہیں آنے والے جانے والے اک ذرا ادب کے لئے جہاں ہوں وہیں ٹھہریں' برابر سے کوئی ناقہ نہ گزرے' قافلہ سالار حرم ہیں یا حضرت جناب زینب سلام اللہ علیہا ہیں۔ چھوٹے بھائی کے حسن انتظام پر دل سے دعائیں نکل رہی ہیں مخدرات اطہار کی سواری کا اہتمام غیر معمولی اہمیت رکھتا ہے جناب عباسؑ بھی غیر معمولی انہماک سے کام لے رہے ہیں۔

(۵)

غریب الدیار امام مدینہ سے آکر مکہ میں پناہ گزیں ہوئے لیکن یہاں بھی پناہ نہ ملی۔ یزید قتل حسینؑ کا بیڑا اٹھا چکا تھا مسلح سپاہیوں کو حاجیوں کے بھیس میں حرمت کعبہ کی بربادی کے لئے بھیجا گیا۔ حسینؑ نے مکہ بھی چھوڑ دیا اور راہ کوفہ اختیار کی۔ پوچھنے والوں نے پوچھا مولا! یہ زمانہ بچوں کو ساتھ لیکر سفر کرنے کا نہیں ہے۔ جواب میں ارشاد فرمایا گیا۔ "مکہ نہ چھوڑ دیتا تو حرم حضرت معبود میں تلوار چل جاتی۔ میرے چھوٹے بھائی عباسؑ کو یزید کے ناپاک ارادوں کی خبر سنکر غیظ آچلا تھا۔ شام سے صبح تک ہتھیار باندھے ہوئے بھرے ہوئے شیر کی طرح پھرتے رہے' قیامت ہی آجاتی اگر میں کچھ دیر وہاں اور ٹھہر جاتا عباسؑ کو جب غیظ آجاتا تو پھر افواج و قافلہ حاج کا کیا ذکر شاید مجھ سے بھی نہ رکتے"

(۶)

امام مظلوم اپنا چھوٹا سا قافلہ لئے ہوئے آگے بڑھتے ہوئے چلے جارہے تھے کہ یکایک کوفہ کی جانب سے فوج آتی ہوئی نظر پڑی۔ امام نے جناب عباسؑ سے خیام برپا کئے جانے کی فہمائش کی ادھر بیبیاں ناقوں سے اتر کر خیموں میں پہونچیں ادھر ایک ہزار زرہ پوش جوانوں کا لشکر قریب آگیا۔ یزیدی فوج کا رُخ خیام حسینی کی طرف دیکھ کر جناب عباسؑ کو جلال آگیا۔ فرمانے لگے "خبردار شامیو! آگے قدم نہ بڑھانا' یہاں خیمہ شاہنشہ ابرار برپا ہے اور تمہیں پاس ادب نہیں' ٹھہرو!! اپنے سردار سے کہو کہ اگر کچھ عرض کرنا ہے تو گھوڑے سے اُتر کر ہتھیار کھول کر آئیں ادب کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے عرض معروض کے لئے حاضر ہو۔ کچھ خبر بھی ہے کہ تم کس کے خیموں کی طرف بیباکانہ چلے آرہے ہو' ہم شیر کردگار کے شیر ہیں' ہمارے تیور بگڑے تو پھر تمہاری جانوں کی خیر نہیں"

جناب عباسؑ کے یہ الفاظ گوش امام تک پہونچے' امام نے جناب عباسؑ کو بڑے پیار سے پکارا۔ "عباسؑ! ذرا پوچھو تو سرکردہ لشکر کون ہے آخر یہ لوگ کیا چاہتے ہیں برادر؟"

جناب عباسؑ کے استفسار پر سردار لشکر دست بستہ آگے بڑھا عرض کی، حُر میرا نام ہے آلِ نبیؐ کا غلام ہوں بے ادبی عفو کی جائے

بے حد نادم ہوں حضور!
بشر ہوں خطا ہو گئی اور پھر عفو و ترحم کا تو رواج ہی آپ کے گھر سے ہے۔

حُر کی یہ درخواست امام نے بھی سماعت فرمائی۔ جناب عباسؑ ابھی کچھ کہنے بھی نہ پائے تھے کہ حضرت نے
حُر کو باریاب ہونے کی اجازت دلوا دی۔ تسلیم و مجرے کے بعد حُر نے عرض کیا:-

"مولا! ہیں، میرے سپاہی اور میرے رسالہ کے تمام جانور پیاس کی شدت سے ہلاک ہو رہے ہیں، آپ مالک کوثر کے خلف ہیں یقین ہے کہ ہماری پیاس بجھائی اور جان بچائی جائے گی۔"

سخی ابن سخی، کریم ابن کریم انکار نہ کر سکا۔ جناب عباسؑ نے پانی کی نایابی، بچوں اور عورتوں کی ہمراہی اور زمانہ کی بدلی ہوئی نگاہوں کی طرف اشارہ بھی کیا مگر واہ رے حسینؑ ابن علیؑ۔ دریائے سخاوت جوش میں آچکا تھا، جذبۂ سخاوت و ترحم سے معمور نگاہیں جناب عباسؑ کو سرِ تسلیم خم کر دینے پر مجبور کر رہی تھیں، حُر کا سارا لشکر سیراب کر دیا گیا۔ بہشتی کے فرائض جناب عباسؑ بہ نفس نفیس ادا فرما رہے تھے ــــ

حالتِ رکوع میں سائل کو انگوٹھی عطا کرنے والے سخی باپ کے سخی بیٹے تو نے وہ کیا جو آج تک کسی بندۂ خدا سے ممکن نہ ہو سکا۔

اُسی رات کو، خیام حسینی کے گرد جناب عباسؑ ہتھیار باندھے ہوئے پہرہ دے رہے ہیں، تاریکی شب میں ایک سایہ نظر آیا جیسے کوئی ڈرتے ڈرتے آرہا ہو۔

کون؟ جناب عباسؑ نے دور ہی سے ٹوکا۔

غلام! یہ حضرت حُر کی آواز تھی۔

"شب کی تاریکی میں آنے کا سبب؟ شاہ ذی وقار آرام فرما رہے ہیں مداخلت بے جا نہ سرزد ہونے پائے۔" جناب عباسؑ کے تیور خشمگیں تھے۔

"حضور! ایک اہم اور ضروری بات سلطان دو عالم کے گوش گزار کرنا ہے، صرف میرا نام مولا کے سامنے لے لیا جائے۔ آگے میری قسمت جانے، دل کہتا ہے رسائی ضرور ہو گی۔" حُر نے درخواست کی۔

جناب عباسؑ ایک وقفہ کے بعد حُر کو اپنے ہمراہ خدمت امام میں لے جاتے ہیں، ضروری باتیں ختم ہو چکی ہیں، رات باقی ہے، جناب عباسؑ اپنے آقا کے حکم سے رات ہی رات کوچ کا سامان کر رہے ہیں۔

(۷)

کوفہ کا ارادہ ملتوی کیا جا چکا ہے، ایلچی شاہ شہیداں کی شہادت کی خبر سنی جا چکی ہے، تقدیر نواسۂ رسولؐ کو ارض نینوا پر کھینچ لائی ہے ایک طرف دریائے فرات ہے دوسری جانب جلتی ریت کا میدان۔ جناب عباسؑ کا خیال ہے خیام حسینی دریا کی ترائی میں برپا کئے جائیں لیکن حسینؑ کی مصلحت اندیشیاں مانع ہو رہی ہیں امام زمانہ کی نظروں میں آنے والے واقعات و حادثات کی تصویریں کھنچی ہوئی ہیں، کبھی دریا کی ترائی کی طرف دیکھتے ہیں اور کبھی رفیق سفر بھائی کی طرف نگاہیں اٹھتی ہیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ یزیدیوں کے ظلم سے دریا سے خیمے اٹھا کر اور جلتی ہوئی ریت پر برپا کئے گئے۔

(۸)

دشت کربلا نہم محرم تک سپاہ شام سے پُر ہو چکا تھا ہفتم سے یزیدی فوج نے دریائے فرات پر پہرے بٹھا رکھے تھے، خیام حسینی میں ظروف آب خشک ہو گئے تھے۔ جناب عباسؑ نے رفقائے حسینؑ کی مدد سے کنویں کھودے، ایک دو نہیں، سات سات مگر بے سود تمام کوششوں پر پانی پھر گیا۔ ہائے رے مقدر حسینؑ کے بچوں کو پانی میسر نہ ہوا۔ یزیدی فوج آغاز جنگ میں سبقت کرنے کے لئے بے قرار ہے کچھ تیر بھی خیام حسینی کی طرف پھینکے گئے، کچھ سوار بھی حملہ آور ہوئے، شبیہ ذو الجلال کے شیر کو ضبط کا یارا نہ رہا۔ نہم محرم ہی کو جنگ چھڑ جاتی مگر تلاش حق میں سرگرداں رہنے والا امام، بھائی سے کہہ رہا ہے:-

"عباسؑ! فوج شام کے سپہ سالار سے ایک شب کی مہلت اور لو۔ عباسؑ خوشنودی امام کے لئے دشمنوں کے طعن آمیز کلام بھی سننا گوارا

کر لیتے ہیں۔ شمشیر ہے کہ نیام سے باہر نکلنے کے لئے تڑپ رہی ہے لیکن صابر امام کا وفادار رفیق اور مظلوم بھائی کا جان نثار غصہ ضبط کئے ہوئے دشمنانِ خدا و رسولؐ سے ایک شب کی مہلت مانگ رہا ہے۔ اپنا نفس کوئی وزن نہیں رکھتا نہ ہی اپنے نفس کی آواز کچھ حقیقت رکھتی ہے جہاں وفاداری اور فرماں برداری کا اصول مدنظر ہوتا ہے۔ عباسؑ علی کا غیظ یزیدی فوج کے سیاہ کاروں کو اس طرح نیست و نابود کر دیتا جس طرح بجلی خس و خاشاک کو خاکستر کر دیتی ہے لیکن رحمۃ اللعالمین کے نواسہ کا رحم ہر نازک موقع پر آڑے آتا۔ نانا کی امت تباہ نہ ہو جائے یہ حسینؑ کی سب سے بڑی آرزو تھی۔

لیجئے ایک شب کی مہلت مل گئی۔ امام کو اندیشہ ہے کہ اہلِ شر شب خون نہ کر بیٹھیں، خیام حسینی کے چاروں طرف خندق کھود کر آگ روشن کر دی گئی ہے۔ شب دہم عبادت و شب بیداری میں گزاری جا رہی ہے پھر بھی حسینؑ کا جاں نثار بھائی مطمئن نہیں ہے ہتھیار سجے ہوئے خیام حسینی کے گرد پہرہ دے رہا ہے۔

جناب ابوالفضل العباسؑ آپ کی وفاداری کسی عہد میں بھی فراموش نہیں کی جا سکتی، حقِ رفاقت جس طرح آپ نے ادا کیا اس کی نظیر پیش کرنے سے دنیا قاصر ہے۔

(۹)

امام عالیمقام کے ساتھ مخدرات عصمت بھی سفر راہ خدا میں شریک تھیں، اسی شب دہم کا ایک اور دل فراش واقعہ جس کا تعلق جناب عباسؑ کی علوہمتی اور ذمہ دارانہ شخصیت سے ہے۔ سن لیجئے امام مظلوم کی چھوٹی ہمشیر جناب ام کلثومؑ لاولد تھیں۔ صابر باپ، صابرہ ماں کی بیٹی اور صابر بھائی کی بہن تھیں۔ بھائی کی محبت میں اس قدر سرشار کہ شب دہم سے پہلے یہ خیال بھی نہ گزرا کہ انھیں قدرت نے دولت اولاد سے محروم رکھا ہے جب مائیں اپنے بچوں کو فرزند زہراؑ پر تصدق کرنے کے لئے سنوار رہی تھیں جناب ام کلثومؑ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں۔ معبودِ حقیقی! کلثوم کیا کرے، اپنے مظلوم بھائی پر قربان کرنے کے لئے کہاں سے پسر لائے۔" جناب عباسؑ نے بہن کے منہ سے نکلے ہوئے الفاظ سن لئے۔ خدمت میں حاضر ہو کر فرماتے ہیں۔ "معظمۂ عالم! عباسؑ کس دن کے لئے ہے، آپ نے بھی میرے بڑے ناز اٹھائے ہیں ہم کو اپنی طرف سے آقا پر قربان کر دیجئے۔ لیجئے یہ تلوار حاضر ہے اپنے ہاتھوں سے غلام کو مسلح کیجئے۔" حسینؑ کی ڈھارس تھے ہی عباسؑ جناب ام کلثومؑ کا بھی آسرا بن گئے ——

(۱۰)

ہر صبح سفر ہر شام سفر * اس ہستی کا انجام سفر

دہم ماہ محرم حسینؑ اور رفقائے حسینؑ کے سفر کا آخری دن ہے آیئے چشم تصور سے حسینؑ کے جاں باز رفیق سفر اور وفادار شیدائی کی سرگرمیاں دیکھیں۔

حق و باطل کی جنگ چھڑ چکی ہے۔ حسینؑ رایت فوج خدا جناب عباسؑ علمدار کو عنایت فرما کر سینہ سے لپٹا رہے ہیں۔

جناب عباسؑ اپنے چھوٹے بھائیوں کو پُر جوش الفاظ میں جنگ ثابت قدم رہنے اور دشمنوں کی صفیں الٹ دینے کی تلقین فرما رہے ہیں۔

حضرت حُرؑ سرحد کفر و ضلالت سے سرحد اسلام میں آ رہے ہیں جناب عباسؑ اپنے اور اپنے آقا کے مہمان کو پرچم اسلام کے سایہ میں بارگاہ حسینی میں لا رہے ہیں۔

امام بندہ نواز ہر شہید کی لاش پر "یا مولا ادرکنی" کی صدا سن کر تشریف لیجاتے ہیں۔ جناب عباسؑ میدان سے شہیدوں کے لاشے اٹھا رہے ہیں۔

جناب عون و محمدؑ۔ ثانی زہراؑ کے کمسن بچوں سے جس طرح امام مظلوم محبت فرماتے تھے اسی طرح جناب عباسؑ بھی فریفتہ تھے۔ فن جنگ میں یہ بچے جناب عباسؑ ہی کے شاگرد تھے۔ ان نونہالوں کی شہادت سے جہاں حسینؑ کی آنکھوں میں اندھیرا چھا گیا عباسؑ کا دل بھی خون ہو گیا۔

حسن سبز قبا کے لخت جگر، مظلوم کربلا کے راحت جان شہزادہ قا

ازرق شامی پہلوان سے جنگ کر رہے ہیں۔ حسینؑ دعائے خیر فرما رہے ہیں اور عباسؑ شہزادۂ گلگوں قبا کی ہمت افزائی کر رہے ہیں۔ کیوں نہ ہو فن جنگ آپ ہی نے سکھائے تھے۔ شہزادہ قاسمؑ نے اُدھر ازرق شامی کو قتل کیا ادھر جناب عباسؑ کا دل بڑھ گیا، مگر آہ قلب عباسؑ پر بجلی سی گر گئی جبکہ یہ چاند بھی فوج شام کی بدلی میں چھپ گیا۔

ہائے وہ وقت بھی آگیا جبکہ حسینؑ کا رفیق سفر آخرت کی تیاری کرنے لگا۔ جناب عباسؑ علمدار خیمہ سے باہر نکل چکے ہیں۔ مشک سکینہؑ زینت علم بن چکی ہے۔ سقائے حرم کا رُخ نہر کی طرف ہے۔ میدان جنگ میں پہونچکر اک ذرا توقف فرمایا۔ لشکر میں اک ہلچل سی مچ گئی۔ نعرۂ شیرانہ یہ تھا کہ سپاہ شام نہر کے گھاٹ چھوڑ کر ہٹ جائے ورنہ قیامت کا نقشہ کھنچ جائے گا۔

(۱۱)

قیامت کی جنگ کے بعد عباسؑ جری نے گھوڑا دریا میں ڈالدیا مشک پانی سے بھر کر مسکراتے ہوئے نکلے۔ یہ غضب ہو گیا۔ لشکر شام نے چاروں طرف سے گھیر لیا۔ پہلے بازو قطع ہوئے پھر جسم مبارک زخموں سے چور ہوا۔ مشک سکینہؑ دانتوں میں دبائے ہوئے تیروں اور نیزوں کی زد سے بچاتے ہوئے عباسؑ دلاور سکینہؑ تک پانی پہونچانے کی آخری جدوجہد فرما رہے تھے کہ مشک میں تیر لگا پانی بہہ گیا۔ سقائے حرم پانی کی حفاظت میں اپنا خون بہاتا رہا لیکن جب پانی ہاتھ سے جاتا رہا تیورا کے گھوڑے سے گر پڑا۔ آہ سکینہؑ کی آس اور حسینؑ کی کمر ٹوٹ گئی۔ امام غریب لاش مطہر تک علی اکبرؑ کے سہارے آئے۔ بیتاب ہو کر جد پارہ پارہ کو سینہ سے لگایا۔

دریا کی ترائی اور ہوا کی خنکی جو کام نہ کر سکی وہ حسینؑ کی گرمیٔ آغوش کر گزری۔ بند آنکھیں ایک بار پھر کھلیں اور حسینؑ کے رُوئے مبارک پر جم کر رہ گئیں۔ حسینؑ کی نظروں کے سامنے بتیس سال قبل کا وہ منظر پھر گیا جسے دیکھ کر علیؑ مرتضیٰ کی آنکھوں میں آنسو امنڈ آرہے تھے۔ جناب عباسؑ کا سفر زندگی حسینؑ کی آغوش سے شروع ہوا اور حسینؑ ہی کی آغوش میں ختم بھی ہوا۔

حسین علیہ السلام کا رفیق سفر، محبت رفاقت وفاداری اور جاں نثاری کے عہد و پیمان پورے کر چکا تھا۔ اب حسینؑ کی باری تھی۔"

عرش ہلا دینگے ہم ماتمِ شبیرؑ سے

(از جناب محمود حسن صاحب کاظمی فراقؔ)

ہم کو شکایت نہیں کچھ فلکِ پیر سے
دل کو ازل سے ہے عشق ماتمِ شبیرؑ سے
مانگ کے لائے ہیں غم مالکِ تقدیر سے
چین ملے گا اگر تو اسی تدبیر سے

کچھ تو حذر چاہیے آہ کی تاثیر سے
کیوں کوئی روکے ہمیں نت نئی تدبیر سے
چھیڑ مناسب نہیں یوں کسی دلگیر سے
عرش ہلا دینگے ہم ماتمِ شبیرؑ سے

قلبِ علیؑ ہو فگار اشک بہائیں نہ ہم؟
اُف ستم روزگار اشک بہائیں نہ ہم؟
فاطمہ ہوں سوگوار اشک بہائیں نہ ہم؟
باغِ نبیؐ ہو قلم خنجر و شمشیر سے

شاہِ غریب الوطن کی کوئی تقصیر تھی؟
قاسمِ گلپیرہن کی کوئی تقصیر تھی؟
اکبرِ سیمیں بدن کی کوئی تقصیر تھی؟
جرم ہوا کیا بھلا اصغرِ بے شیر سے؟

بلوے میں تھیں ننگے سر بانوے ذیشان بھی
لشکرِ اعدا میں تھے حافظِ قرآن بھی
دخترِ مشکلکشا، فاطمہؑ کی جان بھی
کیا کوئی واقف نہ تھا آیۂ تطہیر سے

اہلِ حرم بھی تھے سیکڑوں آزار بھی
صبر کی تصویر تھے عابدِ بیمار بھی
شرم بھی تھی سدِّ راہ چبھ رہے تھے خار بھی
آیا نہ ابرو پہ بل زحمتِ تشہیر سے

قید میں سجادؑ نے لاکھ کیا ضبطِ غم
اپنے مصائب سے جب پاتے تھے فرصت کم
بیبیوں کے سامنے کی نہ کبھی چشم نم
کام اُنھیں تھا فقط ماتمِ شبیرؑ سے

عون و محمدؑ کی یاد دل کو ستاتی تھی جب
دخترِ شیرِ خدا اشک بہاتی تھی جب
بھائی کی مظلومیت سامنے آتی تھی جب
ضبط نہ ہوتا تھا پھر عابدِ دلگیر سے

ششماہہ مجاہد

کربلا کے خونچکاں صحیفے کا ایک ورق

(جناب ضامن حسین صاحب نقوی دہرہ دون تلمیذ حسینی شاعر فضل لکھنوی)

تاریخ داں حضرات واقف ہیں کہ امام حسینؑ علیہ السلام اور امیر معاویہ کے معاہدہ کے خلاف تختِ سلطنت پر قبضہ کرنے کے بعد یزید کا اولین مقصد یہ تھا کہ امام حسینؑ علیہ السلام سے جو حقیقی معنی میں وارثِ خلافت اسلامیہ اور سبطِ رسول الثقلین ہیں بیعت طلب کر کے اپنے تمام افعال قبیحہ پر مہر تصدیق ثبت کرے تاکہ پھر کسی کو اعتراض کی گنجائش ہی نہ رہے۔ لیکن امام حسینؑ غافل نہ تھے آپ نے باطل کو حق سے ٹکراتے ہوئے دیکھا۔ نانا کی پیشین گوئی یاد آگئی اور حق و صداقت کی حمایت میں کمر بستہ ہو کر کربلا کے لق و دق میدان میں مع اہل و عیال اور اصحاب کے خیمہ زن ہو گئے۔ یزیدی فوج کے جبری بھرتی والے سپاہیوں کی اس قدر کثرت تھی کہ حدِ نظر تک خیمے ہی خیمے اور سر ہی سر نظر آتے تھے۔ ساتویں محرم الحرام کو امام اور ان کے ساتھیوں پر پانی کی بندش کر دی گئی یہاں تک کہ دس محرم کی خون آشام صبح نمودار ہوئی۔ یہ وہ دن تھا جس میں روحانیت، عبرت، اور انسانیت سوز مظالم کا ایسا مظاہرہ کیا گیا جس کی مثال تاریخ عالم کے اوراق پیش کرنے سے قاصر ہیں۔

حسینی فوج ہی کیا تھی صرف بہتّر فرد جن میں چند کمر خمیدہ ضعیف، چند جوان اور چند بچے۔ ابن سعد نے ابتدائی طبل جنگ بجے، کمانیں کڑکیں ظلم و جفا نے انتہائی بہیمیت و استبدادیت کا ثبوت دینے کیلئے حق و صداقت کی طرف تیر چھوڑے۔ علمبردارانِ حریت اور ہاشمی جوانوں نے اپنے سینے کھول دیے۔ تلواریں نکل آئیں۔ نیام توڑ دیئے گئے۔ حیوانیت اور انسانیت میں فیصلہ کن جنگ شروع ہو گئی۔ خدائی فوج کا ایک ایک جانباز جاتا تھا اور سینکڑوں یزیدیوں کو واصل جہنم کرنے کے بعد شہید ہو کر جنت الفردوس کی طرف بڑھ جاتا تھا۔ یہانتک کہ امامِ مظلوم کے اصحاب، بھائی، بیٹے، بھانجے اور بھتیجے داغِ مفارقت دے گئے ظہر کا وقت گزر گیا اب صرف امام حسینؑ باقی تھے۔ آپ میدان میں تشریف لے گئے۔ اور آوازِ استغاثہ بلند کی گئی۔ انسان کا نہیں بلکہ امامِ وقت کا استغاثہ تھا زمین و آسمان میں تہلکہ مچ گیا۔ شہداء کے لاشوں سے لبیک کی آواز آئی۔ ناگاہ خیمہ اہلبیت سے صدائے گریہ و زاری بلند ہوئی۔ سبطِ رسول نے ذوالجناح کا رخ خیمہ کی طرف پھیر دیا۔ اندر تشریف لائے۔ دیکھا کہ تمام بیبیاں ایک جگہ جمع ہیں۔ اور علی اصغر کو بہلانے کی سعی و کوشش میں مشغول۔ دریافت کیا یہ کیوں رو رہے ہیں۔ ثانیِ زہرا حضرت زینبؑ نے جواب دیا بھیا آپ نے آوازِ استغاثہ بلند کی علی اصغر نے اپنے تئیں جھولنے سے گرا لیا۔ ہم سب کوشش کر رہے ہیں لیکن یہ خموش ہی نہیں ہوتے تشنہ لب امام نے اپنے چھ ماہ کے بچہ کو گود میں لیا۔ باپ کی آغوش میں آنا تھا بیٹا خاموش ہو گیا۔ حسینؑ عالم الغیب تھے جانتے تھے کہ انقلاب میں بچہ بچہ انقلاب پیدا کرنے کی کوشش کرتا ہے آپ آغاز ہی میں انجام سے باخبر تھے۔ لیکن عورت کا دل کب مانتا ہے۔ جناب شہربانو نے عرض کی مولا اب تو اس کی حالت نہیں دیکھی جاتی۔ کوئی اپنے کو مسلمان اور اس رسول کی امت میں تو شمار کرتے ہیں جس نے دشمنوں سے بھی دوستوں کا برتاؤ کیا۔ قیدیوں کو عزت و احترام کی نگاہوں سے دیکھا۔ اگر ہم ان کے خیال ناقص میں خطاوار ہیں لیکن یہ بچہ تو ابھی بالکل معصوم ہے۔ اس پر تو دنیا کا کوئی مذہب بھی ظلم و ستم روا نہیں رکھ سکتا۔ حسینؑ نے یہ سن کر آسمان کی طرف دیکھا۔ دل کی انتہائی گہرائیوں سے ایک ٹھنڈی آہ بھری۔ بچہ کو آغوش میں لے کر میدانِ ستم کا رخ کیا۔ ایک بلندی پر تشریف لے گئے اہل کیں نے دیکھا کہ امام گود میں کوئی چیز لا رہے ہیں۔ خیال آرائیاں ہونے لگیں۔ کوئی کہتا تھا قرآن ہے جس کا واسطہ دے کر امان کے طلبگار ہوں گے۔ کسی کا خیال تھا کہ تبرکات رسول مقبول میں سے کوئی تبرک ہے۔ ناگہاں امام کی آواز فضا میں بلند ہوئی۔ فرمایا اے سپاہ کوفہ و شام تم نے طرح طرح کے مظالم کیے۔ پانی بند کیا۔ راہ چارہ مسدود کر دی

میری آنکھوں کے سامنے عزیز و اقارب دوست و احباب کو تہہ تیغ کیا میں نے صبر کیا۔ اور تمہارے لیے دعا کے علاوہ لب شکوہ وا نہیں کیا۔ اب مردوں میں صرف تین نفوس باقی ہیں ایک میں، دوسرا عابد بیمار جو بستر علالت سے ضعف و نقاہت کی وجہ سے جنبش نہیں کرسکتا۔ جس کو نہ دوا میسر ہے نہ غذا اور تیسرا یہ بچہ ہے۔ جس کی ماں کا شدت تشنگی سے دودھ خشک ہو گیا ہے۔ یہ چھ ماہ کی جان ایک چلو پانی کے لیے تڑپ رہا ہے۔ زبان لبوں پر پھیرتا اور مایوس ہو کر رونے لگتا ہے۔ ہے کوئی صاحب اولاد جو اپنے پہلو میں باپ کا محبت بھرا دل رکھتا ہو۔ ایک کوزۂ آب لا کر اس کو اپنے ہاتھوں سے پلا دے۔ امام نے دیکھا کہ ان دردناک الفاظ کا فوج اشقیا پر کوئی اثر نہیں ہوتا تو علی اصغر کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا بیٹا تم لسان اللہ کے پوتے ہو اپنی خشک زبان ان ظالموں کو دکھا دو۔ شاید تمہارا ہی یقین آ جائے۔ یہ سننا تھا کہ تشنہ لب معصوم نے اپنی زبان ہونٹوں پر پھیری۔ کوفہ و شام کے سنگدل سپاہی تاب نہ لا سکے اور منہ پھیر پھیر کر رونے لگے۔ قریب تھا کہ ابتری پھیل جائے۔ ابن سعد نے اس نازک موقع کا احساس کرتے ہوئے۔ حرملہ ملعون کو حکم دیا کہ کلام امام قطع کر دے۔ یہ وہ حرملہ ہے جو عرب میں تیراندازی کے میدان میں اپنا مقابل نہ رکھتا تھا۔ لیکن آج ایک ننھی سی جان کے لیے زہر میں بجھا ہوا تیر چلّہ میں جوڑ کر آگے بڑھا۔ ادھر سے تیر چلا ادھر اصغر نے مسکرا کر گردن اونچی کی اور ایک ہچکی لے کر مظلوم باپ کی آغوش میں جان دے دی۔ ابن سعد نے اطمینان کی سانس لی کہ حسینؑ کی آخری کمائی بھی چھین لی۔ حیوانیت اپنی ظاہری فتح پر مسکرا رہی تھی لیکن انسانیت یہ آخری قربانی حق و صداقت کے لیے پیش کرنے کے باوجود دائمی فتح کے خیال سے مطمئن تھی۔ امام نے ننھی سی گردن سے تیر کھینچا۔ بہتا ہوا خون اپنے چلو میں بھر کر چاہا کہ زمین کی طرف پھینکیں آواز آئی مولا اگر یہ معصوم خون میرے اوپر پھینکا گیا تو قیامت تک ایک دانہ پیدا نہ ہوگا یہ سن کر آپ نے آسمان کی طرف ہاتھ بڑھایا لیکن غیب سے ندا آئی آقا اگر میری طرف یہ بیگناہ خون آیا تو بارش کا ایک قطرہ کبھی نہ برسے گا۔ حسینؑ مجبور ہو گئے۔ اصغر کی طرف دیکھ کر فرمایا ؎

انکار آسماں کو ہے راضی زمیں نہیں ✻ اصغر تمہارے خوں کا ٹھکانا کہیں نہیں

اور چلو میں بھرا ہوا یہ خون اپنی ریش مبارک پر مل لیا۔ شہزادۂ کونین و مولائے کائنات جن کے قبضۂ قدرت میں خداوند عالم نے ہر خشک و تر سونپ دیا تھا اس وقت یاس و حرماں کے عالم میں معصوم کی نعش کو آغوش میں لیے سوچ رہے تھے اس کی ماں کو امید ہوگی کہ اصغر سیراب ہو کر آتے ہوں گے لیکن آہ ان شقی القلب انسان نما حیوانوں نے پانی کے بدلے تیر سہ شعبہ سے پیاس بجھائی۔ حسینؑ عالم اضطراب و بیچینی میں کبھی آگے بڑھتے تھے کبھی پیچھے ہٹتے تھے سات مرتبہ اسی طرح ہوا۔ ارادہ کرتے تھے کہ خیمہ میں جائیں لیکن پھر سوچتے تھے اس کی ماں کو کیا جواب دیں گے واپس آ جاتے تھے آخر کار ایک جگہ بیٹھ گئے اور نیام سے اسد کردگار کی ذوالفقار نکالی جس نے ہزاروں لڑائیوں کا فیصلہ کیا اور لاکھوں سرکش بہادروں کو دوزخ کا راستہ بتا دیا تھا۔ آہ آج اسی تلوار سے میدان کربلا میں ایک چھوٹی سی قبر کھودی جا رہی تھی۔ علی اصغر بے غسل و کفن دفنا دیے گئے۔ حسین دامن جھاڑ کر کھڑے ہوئے اور اس آخری آزمائش میں بھی کامیابی کے خیال سے اطمینان کی سانس لی۔ لیکن اس وقت کون تھا جو کہتا مولا آپ نے اپنے لخت جگر کو دفنا تو دیا مگر آپ کے بعد ایک نیزہ بردار اس کی لاش کو تلاش کرتا ہوا آئے گا اور اس معصوم کی ننھی سی گردن کو تن سے جدا کر کے نیزے پر نصب کرے گا۔ مگر حسینؑ آنے والے واقعات سے آگاہ تھے۔

آئیے تتمۂ کلام میں آپ کے سامنے حسینی شاعر استادی جناب فضل لکھنوی کی ایک رباعی پیش کروں۔ جس کے صرف چار مصرعے پورے واقعات پر حاوی ہیں۔ اسی کو کہتے ہیں کوزہ میں دریا بھر دینا۔ اختصار کی یہ قدرت کمال فن کی شاہد ہے۔ زیادہ تعریف کرنا تو آفتاب کو چراغ دکھانے کے مترادف ہوگا۔ آپ خود ملاحظہ کیجئے :- ؎

تو نے تو یزید ایسی حکومت چاہی — دنیا کو فنا کرنے کی طاقت چاہی
ناوک بن کاہل کا گواہی دے گا — چھ ماہ کے بچے سے بھی بیعت چاہی

ثامن نقوی

مرکزِ وفا

(نتیجۂ فکر جناب مرزا محمد باسط علی صاحب حزیں فیض آبادی)
تلمیذ دعبل ہند جناب ذاکر لکھنوی اعلی اللہ مقامہ

علیؑ کا شیر بزرگوں کی یادگار ہے تو
ریاضِ حسنؑ کا سرمایۂ بہار ہے تو
وفا کا نازِ شجاعت کا افتخار ہے تو
علم کا فخر ہے اسلام کا وقار ہے تو
کمالِ صنعتِ قدرت کا شاہکار ہے تو

جو تیرے در پہ گیا ہو کے شاد کام آیا
قرار آ گیا لب پر جو تیرا نام آیا
ترا کرم طلبِ مدّعا میں کام آیا
شکستگی کو توانائی کا پیام آیا
سکونِ دل ہے اُمیدِ اُمیدوار ہے

ترا خلوصِ عمل خضرِ جادۂ تسلیم
ترا اشارۂ ابرو حیات کی تنظیم
ترا تبسّمِ رنگیں بہارِ باغِ نعیم
تری جبیں کی شکن موجِ کوثر و تسنیم
نشاطِ روح کا پیغامِ خوشگوار ہے تو

ترے عمل پہ زمیں آسمان شاہد ہیں
تری وفا پہ ہزار امتحان شاہد ہیں
فضائے دہر کے رنگیں نشان شاہد ہیں
کیا وہ کام کہ دونوں جہان شاہد ہیں
شفق کے منظرِ خونیں کی یادگار ہے تو

جبینِ دہر ترے نام سے درخشاں ہے
تری بہارِ شہادت چمن بہ داماں ہے
ترے جمال سے صبحِ اُمید خنداں ہے
ترے عمل کی بلندی پہ عرش نازاں ہے
اُبھرتا جائے گا وہ نقشِ اعتبار ہے تو

تجلیاں ہیں تری منزلِ حقیقت میں
تری جگہ ہے ازل سے دلِ محبت میں
بقا کا راز ہے مضمر تری شہادت میں
ترے لہو کی حرارت ہے نبضِ فطرت میں
نظامِ دہر کا آئینِ استوار ہے تو

کمالِ نفس کے جوہر دکھائے ہیں تو نے
ادائے فرض کے معنی بتائے ہیں تو نے
اصولِ صبر و شجاعت سکھائے ہیں تو نے
صفات اپنے بزرگوں کے پائے ہیں تو نے
حسنؑ کا خلق ہے حیدرؑ کی ذوالفقار ہے تو

عقبہ بن سمعان

از جناب مولانا علی محمد صاحب مدظلہ۔ سہارن پور

اسمائے شہدائے کربلا کی اب تک جتنی فہرستیں مرتب ہوئی ہیں۔ ان کے متعلق یہ کہنا کہ یہ بالکل مکمل ہیں ان میں کمی یا زیادتی کی کوئی گنجایش نہیں مشکل ہے۔ اسوقت تک جو نام سامنے آچکے ہیں ان پر پورے طور سے بھروسہ دشوار ہے۔ بنابریں یہ ممکن ہے کہ کسی "فدائے حق" کا نام کسی وجہ سے فہرست سے بچ رہا ہو۔ تاریخ و مقاتل کی نگاہ سے کسی کا اوجھل رہ جانا تعجب کا محل بھی نہیں۔ لیبا اوقات مورخ کی نظر چوک جاتی ہے اور نمایاں ہستی کے رخ تاباں سے نقاب کشائی کی سعادت سے محروم رہ جاتی ہے۔ "سیاح نگاہ" اور "بالغ نظر" کے سامنے اس کی بہت سی مثالیں موجود ہیں۔ اس کی وجہ ہر جگہ "بد دیانتی" اور "خودغرضی" ہی نہیں ہوسکتی۔ اس کے علاوہ اور بہت سے اسباب بھی ہیں جن میں سے بعض کی طرف ہم آگے چل کر ایک خفیف سا اشارہ بھی کرینگے۔ مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عقبہ بن سمعان بھی اہل قلم کے بلاشعور تغافل کی زد میں آگئے ہوئے ہیں۔ ورنہ یہ بزرگوار اس محترم جماعت کی ایک فرد ہیں جن کو "شہدائے کربلا" کہا جاتا ہے۔ اگرچہ جاں نثاروں کی فہرست ان کے نام سے خالی ہے۔ یہ میرا "ظن" ہے گمان ہی یقین نہیں۔ یقین کے لیے بھی تحقیق کی ضرورت ہے اس لیے میں اپنے کو کسی قدر دور پاتا ہوں۔ بہر عین ممکن ہے کہ کچھ عرصہ میں ظن و گمان کی جگہ علم و یقین کا پرچم لہرانے لگے اور جو کمی ہے وہ دور ہو جائے۔

اس میں تو کوئی شبہ ہی نہیں کہ موصوف (عقبہ بن سمعان) برکات سعادت انتساب فیضیاب اور معیت جمیل سے شرف اندوز ضرور تھے اس میں کسی طرح کا شبہ تاریخ کا مضحکہ اڑانا ہے۔ یہاں ایک یہ سوال ہوتا ہے کہ وہ کہاں سے امام کے ساتھ تھے اس کا حتمی جواب تو میرے پاس نہیں اندازاً مدینہ منورہ سے خدمت امام میں ماننا پڑے گا جس کی تائید آئندہ سطور میں موجود ہے۔ مدینہ منورہ سے روانگی کے وقت جو لوگ امام انام کے ہمراہ تھے اگر ان کے نام بھی گنوا دیئے جاتے تو آج بہت سی دشواریاں دور ہو جائیں۔ مگر ایسا نہ ہونے کی وجہ سے کچھ دقتیں پیدا ہوگئی ہیں (تاریخ نے اس جگہ عام طور پر اجمال نوازی سے کام لیا) عقبہ بن سمعان کا تذکرہ تو کتابوں میں موجود ہے مگر دلخواہ وضاحت سے نہیں۔ میرا حال یہ ہے کہ میں جب آپکا نام نامی دیکھتا ہوں تو یہ نظر آتا ہے کہ کوئی زبردست طاقت مقناطیسی طاقت دل کے رخ کو ان کی جانب کر دیتی ہے ایک جذب ہے جو دل کو کھینچے لیتا ہے یہی وہ باطنی تقاضہ ہے جو اس وقت مجھ سے یہ خدمت لے رہا ہے

آرزو یہ تھی کہ ان کے تفصیلی حالات معلوم ہوتے۔ لیکن اس وقت یہ نہ ہوسکا۔ ایک عجیب بات یہ ہے کہ واقعات کربلا پر مشتمل جس قدر متوسط و مفصل تصانیف ہیں تا اینکہ بعض مجمل بھی (خواہ وہ نئی ہوں یا پرانی) ان میں ان کا ذکر ضرور آتا ہے مگر نہ اتنا کہ جستجو کی پیاس بجھا سکے نیز اکثر کتابیں ان کے انجام سے خاموش ہیں۔ کہیں اشارہ ہے بھی تو ناکافی۔

تلاش احوال کی "بیتاب خواہش" دل میں ضرور پیدا ہوگئی ہے ممکن ہے کسی خوشنما منزل پر پہونچ سکوں (اگر میں خدانخواستہ درماندہ رہا تو کوئی میرا ہمکار میری اس تمنا کو انشاء اللہ پورا کر دے گا۔) فی الحال جو کچھ مجھے معلوم ہوسکا ہے حوالہ قلم کرتا ہوں۔

آپ کون تھے؟ اس کے متعلق تاریخ کا کوئی روشن بیان میرے پیش نظر نہیں۔ صرف اتنا معلوم ہوسکا ہے کہ آپ خاتون محترم جناب رباب زوجہ امام حسینؑ و مادر سکینہ و علی اصغر کے غلام تھے۔ اور اس سفر میں امام حسینؑ علیہ السلام کے ساتھ تھے۔ ظاہر ہے یہ ہمراہی مدینہ ہی سے ہوئی ہوگی۔ آپ کا ہمراہ ہونا اس سے ثابت ہے کہ جب امام حسینؑ قطع مراحل و طے منازل فرماتے ہوئے منزل شراف سے گزر کر کوفہ کے قریب پہونچے یعنی مقام "ذوحسم" پر آئے تو "حر" معہ ہزار سوار آ پہونچے چونکہ دوپہر کا وقت تھا اور یہ لوگ تپتے ہوئے ریگستان سے تیزی کے ساتھ سفر کرکے آئے تھے۔ لہٰذا سب پیاسے تھے اور ان کے گھوڑوں کی زبانیں منہ سے باہر نکلی ہوئی تھیں۔ ان لوگوں کے ہوش و حواس بجا نہ تھے۔ چونکہ "امام حسینؑ" اپنے وقت میں "رحمت خدا" تھے دشمنوں کا یہ حال دیکھ نہ سکے حالانکہ اس سے کچھ پہلے ان آنیوالوں کی ضمیر کا اندازہ ہی نہیں بلکہ یقین ہوگیا تھا کہ یہ لوگ کس قماش کے ہیں اور کس ارادہ سے یہاں آئے ہیں۔ قتل ہانی۔ شہادت مسلم کا انجام مفصل معلوم ہو چکا ہے۔ یزید ابن زیاد کے



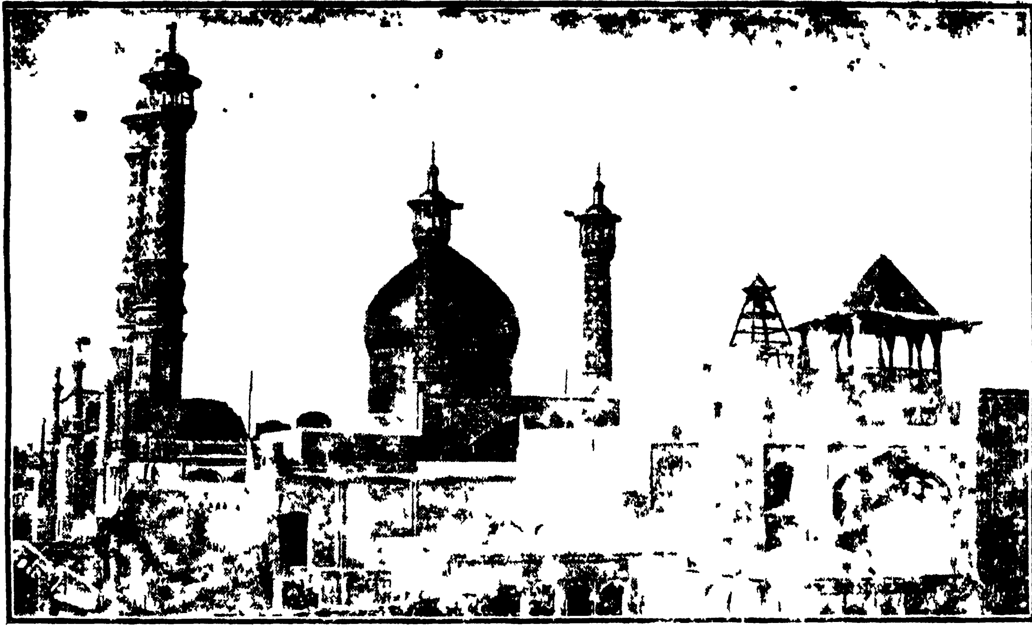
مزارِ مقدس حضرت سکینہ علیہا السلام



صدر الشعراء
جناب سید صدر الاسلام صاحب صدر
(ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس کانپور)



جناب مولانا سید
محمد اطہر صاحب اجتہادی



روضۂ حضرت معصومہ قم (ایران)



جناب مرزا عاشق حسین صاحب قزلباش
سکریٹری انجمن حیدریہ پشاور



جناب یسین مرزا صاحب لکھنوی

خیالات بھی عالم آشکار ہو چکے ہیں (علم امامت کے علاوہ بھی) تمام واضح قرائن قائم ہو چکے ہیں۔ واقعات ایک ایک کرکے کہہ رہے ہیں حسین! ان آنے والوں سے کوئی توقع نہ رکھنا یہ وہ تشنہ لب ہیں جن کی پیاس صرف آپ کے خون سے بجھے گی۔ اس لیے ان کے ساتھ نیکی دشمن کو قوت پہونچانے کے مرادف ہے۔ بایں ہمہ "حسینؑ" جیسے کریم کے لیے دشمن کا حال پریشان دلسوز ثابت ہوا فوراً آپ نے رفقا کو حکم دیا "جلد از جلد ان سب کو خوب سیراب کردو"۔ جہاں دنیا اس شریعت کو حافظہ میں سجائے ہوئے ہے جو بحکم "علی ابن ابیطالب" ابن ملجم ملعون کو شربت پلایا گیا وہاں رہتی دنیا تک انسانی حافظہ میں یہ بھی محفوظ حسینؑ نے اپنے اور اپنے رفقاء و اعزا اور چھوٹے چھوٹے بچوں کے منہ سے چھین کر محنت سے بھرا ہوا پانی دشمن کی جاں طلب فوج کو پلاکر زندگی بخشی پانی بھی وہ جس کو کافی دور سے حفاظت کرتے ہوئے لائے تھے۔ اگر اور کوئی ہوتا تو اس احسان عظیم کو نسلاً بعد نسلاً یاد رکھتا لیکن ان لوگوں نے جو کچھ کیا وہ دنیا نے دیکھ لیا۔

نماز ظہر و عصر کے بعد جب امام حسینؑ نے خطبہ پڑھا اور اس میں اپنے حقوق کا اظہار کیا اور یہ بھی ارشاد فرمایا کہ اس طرف میرا آنا فقط تم ہی لوگوں کے خطوط بھیجنے کی وجہ سے ہوا۔ یہ سنتے ہی حر نے صاف انکار کردیا اور کہا "خطوط کے متعلق میں کچھ نہیں جانتا" اس پر امام علیہ السلام نے عقبہ بن سمعان کو حکم دیا "وہ خطوط لاؤ" یہ سن کر عقبہ بن سمعان عرضیوں سے بھری ہوئی دو خورجیاں لائے: ور حر کے سامنے خالی کردیں .... ناظرین کرام یہ وہی عقبہ بن سمعان ہیں جن کا تذکرہ میں کر رہا ہوں۔ یہاں سے معلوم ہوا کہ عقبہ بن سمعان اس سفر میں (غالباً) مدینہ سے ساتھ تھے اس کے بعد پھر ان کا تذکرہ دھندلے میں پڑجاتا ہے حالانکہ یہ مشکل ہے کہ اس طویل سفر میں اُن کے خدمات نہ ہوں۔ ہونگے اور ضرور ہونگے لیکن کسی وجہ سے نظرانداز ہوگئے اب۔ اِ...ہ یہ بزرگوار روز عاشورہ بھی موجود تھے۔ اس کا پتہ بھی صاف طور سے مل جاتا ہے۔ روز عاشور جب لشکر کثیر نے مظلوم کے مقابلہ کے لیے اپنے پرے جمائے اور ہر طرح شور و شر پر آمادہ ہوگئے تو امام مظلوم نے بارگاہ اقدس الٰہی میں ایک دعا کی جس کے بعد امام نے ناقہ طلب فرمایا اور اس پر رونق افروز ہوئے اور باآواز بلند ارشاد فرمایا۔

اے اہل عراق تم سب پہلے میری بات سن لو اور لڑائی میں جلدی نہ کرو۔ تمہارے انسانی حقوق جو مجھ پر ہیں اور انسانی ہمدردیاں جو میرے ذمہ ہیں اس کی وجہ سے میں تم کو نصیحت و وعظ کرلوں۔ میرے یہاں آنے کے جو عذرات ہیں ان کو بیان کرلوں (تاکہ تم اپنے فرائض کو اچھی طرح پہچان لو اور میں اس فرض سے سبکدوش ہوجاؤں) اس کے بعد اختیار تم کو ہے۔ چاہے عذر کو صحیح جان کر انصاف پر راضی ہو (اور تمہاری بھلائی اسی میں ہے) چاہے میرے عذروں کو نہ مانو۔ فہمایش کے بعد مجھ پر کوئی حجت باقی نہ رہے۔ یہ سن کر سب چپ ہوگئے اور حضرت نے نہایت فصاحت و بلاغت کے ساتھ ایک عجیب و غریب "خطبہ" پڑھا جس کا کچھ حصہ تواریخ میں موجود ہے) اس کے بعد ناقہ بٹھایا۔ اس ناقہ کو "عقبہ بن سمعان" نے اس کی جگہ باندھا۔ اور سواری کے لیے خدمت اقدس میں گھوڑا پیش کیا۔ (اخبار العین وغیرہ من الکتب) اس سے معلوم ہوگیا کہ عقبہ بن سمعان روز عاشور بھی موجود تھے لیکن اس کے بعد پھر حالات اوجھل ہوجاتے ہیں اور یہ سوال کہ آخر ان کا انجام کیا ہوا۔ محروم جواب رہ جاتا ہے اور تسلی بخش کوئی سراغ نہیں لگتا۔ البتہ ابوحنیفہ احمد بن داؤد دینوری المتوفی ٢٨١ھ اپنی تصنیف میں کچھ رقم طراز ہیں لیکن ان کا بیان طبع سلیم پر ایک قسم کا بار ہے اور قبول کی قابلیت نہیں رکھتا۔ وہ لکھتے ہیں "ولم یسلم من اصحابہ الا رجلان والاخر مولی لرباب ام سکینہ اخذوہ بعد قتل الحسین فارادوا ضرب عنقہ فقال انی عبد مملوک فخلو سبیلہ" امام حسینؑ کے اصحاب میں دو آدمیوں کے علاوہ کوئی نہیں بچا۔

دوسرے جناب رباب کے غلام ہیں ان کو بعد شہادت حسینؑ لوگوں نے پکڑ لیا اور قتل کرنا چاہا۔ انھوں نے کہا "میں تو غلام ہوں" لہٰذا ان لوگوں نے چھوڑ دیا۔ اخبار الطوال صفحہ ٢٥٦ مطبوعہ مصر۔ یہ ہیں وہ الفاظ جو ابوحنیفہ کے قلم سے نکلے۔ لیکن ان کو صحیح ماننا ممکن نہیں۔ موصوف کو ان کا نام بظاہر معلوم تھا یا عمداً نام نہ لکھا۔ خیر جو کچھ بھی سہی۔ مگر اس آسانی کے ساتھ بعد واقعہ شہادت اس گھر کے غلام کا بچ جانا سہل نہیں معلوم ہوتا اگر ہم مان بھی لیں کہ بچ گئے تھے تو پھر کہاں گئے؟ اور کہاں رہے؟ اور ان کا انجام کیا ہوا؟ یہ تمام سوال لازمی طور پر پیدا ہوتے ہیں جن کا جواب تاریخ کے ذمہ واجب ہوجاتا ہے۔ لیکن جہانتک مجھے معلوم ہوا ہے تاریخ کے مہروں پر مہر سکوت لگی ہے اور کسی ایک سوال کا جواب نہیں۔ یہ بھی تعجب ہے کہ وہ غلام جس کی زندگی کا اچھا خاصہ حصہ غلام پرور امام کی خدمت میں گزرا ہو اور امام انام کی غلام نوازیاں۔ بندہ پروریاں بچشم خود دیکھی ہوں اور غریبوں اور بیکسوں کے ساتھ مراحم دیکھے ہوں وہ کیونکر اپنی جان ایسے نازک وقت میں عزیز کرتا اور اپنے آپ کو بعد کے حسرتناک مناظر دیکھنے کو باقی رکھتا خصوصاً ایسے وقت میں جبکہ اس کی مالکہ (جناب رباب) کے اسیری کے امکانات بھی ہوں

جبکہ غلام نے یہ بھی دیکھ لیا ہو کہ میری مالکہ کا چھ ماہ کا بچہ تیر ستم کا نشانہ بن چکا ہے۔ ایسے حالات کے ہوتے ہوئے علاج اضطراب اور تسکین قلق کے لیے کوئی چیز ہو سکتی ہے تو صرف جاں نثاری ہے۔ ایسے مواقع پر جان بچا لانا محال عقلی نہیں لیکن حیرت انگیز ضرور ہے۔ استعجاب کی کوئی حد نہیں رہتی جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ یہ الفاظ ان عقبہ کے لیے لکھے گئے ہیں جو ایک عرصہ تک اس گھر کے خدمت گزار رہے ہے۔ اور ساتھ ہی ساتھ مدینہ منورہ سے کربلا تک بہت سی ہولناک زحمتیں برداشت کیں مگر ساتھ نہ چھوڑا۔ بھوک پیاس کی شدید مشقتیں سہیں مگر نہ گئے۔ قدم قدم پر مصائب جھیلے مگر ثبات میں فرق نہ آیا۔ اور کبھی پیشانی پر شکن نہ آئی۔ امام علیہ السلام نے بارہا اپنے اصحاب کو "اختیار" دیا ہر شخص بلا پس و پیش کے اپنے گھر جا سکتا ہے۔ یہ ایک مرتبہ نہیں کئی مرتبہ فرمایا۔ اگر یہ جانے والے ہوتے تو پہلے ہی چلے جاتے اور اگر کبھی نہ گئے تھے تو شب عاشور چلے جاتے مگر نہ گئے اور ہر کڑی جھیلی پھر یہ کیونکر مان لیا جائے کہ از خود انھوں نے اپنی جان عزیز کی ہو۔ حالانکہ اور بہت سے غلاموں کو بھی انھوں نے شرف شہادت سے بھی سرفراز ہوتے دیکھا۔ اب بھی عزم میں استحکام نہ پیدا ہو۔ سمجھ سے بعید ہے۔

علاوہ ازیں یہ حقیقت بھی آسانی سے نظرانداز نہیں ہو سکتی کہ اگر یہ زندہ بچے ہوتے اور بالکل مطلق العنان چھوڑ دیے جاتے تو یہ ظاہر ہے کہ واقعات کربلا کے یہ عینی شاہد تھے۔ حسینی لشکر کے احوال سے نسبتاً عوام کے زیادہ واقف تھے۔ ایسی حالت میں ضرور، جو بھی کوئی ان کو دیکھتا اپنے پاس ان کو بلاتا۔ اور ان سے کربلا کے حالات پوچھتا اور یہ مفصل بیان کرتے۔ اگر ایسا ہوتا تو شہادت کے قبل اور بعد کے اکثر حالات و احوال کے یہ راوی ہوتے حالانکہ میری (محدود) نظر میں کسی ایک روایت سے بھی واقف نہیں۔ اگر یہ صحیح ہے تو قرینہ کی قوت کی بنا پر ماننا پڑے گا کہ عاشور کے بعد عقبہ صفحۂ ہستی پر موجود نہ تھے اور ان کی قابل رشک حیات کا آخری دن وہی تھا۔ جس کا نام عاشورہ ہے۔ یعنی یہ بھی شہید ہو کر انصار کی سنہری صف میں کھڑے ہو گئے۔ یہ ممکن ہے کہ جب پسر سعد کے حکم سے فوج یزید نے پورے ہجوم سے پہلا حملہ کیا تھا اسی ہنگامۂ قیامت خیز میں یہ بھی شہید ہو گئے ہوں۔

بہرحال ان کی شہادت بچنے کے مقابلہ میں یقین سے قریب تر ہے۔ لیکن کسی وجہ سے اس سرفروش کا نام فہرست شہداء میں نہ آ سکا۔ جس کو دلیل عدم شہادت نہیں قرار دیا جا سکتا۔ سابق میں اشارہ کر دیا گیا ہے کہ چند شہداء ایسے ضرور ہیں جن کے نام نگاہ تحقیق سے مخفی رہ گئے ہیں اور فی الحقیقت وہ لوگ فوز عظیم پر فائز ہو چکے ہیں۔ کسی کا فراموش کر جانا اتنا تعجب خیز نہیں جتنا یاد رکھنا ہے۔ اتنے شہداء کے نام مع ولدیت و خصائص و جستہ جستہ حالات ٹھیک ٹھیک یاد رکھنا ہر شخص کا کام نہیں پھر ان کے بیان کے بعد سننے والے کے لیے امکان سہو و ... اشتباہ بھی موجود ہے۔ ایک ایک نام کے کئی کئی ہونا اس سے بھی کافی دھوکا ہو جاتا ہے۔ بہرطور جو کچھ بھی ہوا ہو۔ ان کا نام عام طور پر فہرست میں نہیں ملتا۔ میرے اس خیال کی "جناب عقبہ بن سمعان" شہداء میں شریک ہیں۔ اس سے اور زیادہ تائید ہو جاتی ہے کہ بعض زیارات میں ان کا نام نامی ملتا ہے۔ اب خیال کو کافی تقویت پہنچتی ہے اور طبیعت کو کسی قدر سکون حاصل ہو گیا۔ علامہ مجلسی علیہ الرحمہ بحار الانوار میں چاند رات اور یکم نیز شب نیمہ شعبان اور پندرھویں کو پڑھنے کے لیے جو زیارت تحریر فرما رہے ہیں اس کے بعض الفاظ یہ ہیں "السلام علی عقبۃ بن سمعان" عقبہ بن سمعان پر سلام ہو۔ بحار الانوار جلد ۲۲ حصہ ۲ ص ۱۴۲ جس زیارت کا یہ فقرہ ہے اس کو شیخ مفید علیہ الرحمہ اور سید ابن طاؤس علیہ الرحمہ نیز دیگر علمائے اعلام نے اپنی اپنی تصانیف میں نقل و روایت فرمایا ہے۔ یہاں تک پہونچ جانے کے بعد بحمداللہ یکسوئی پیدا ہو گئی لیکن تفصیلی حالات معلوم ہونے کا تقاضا بدستور رہتا ہے۔ خدا کو اگر منظور ہے تو میرے یا میرے کسی اور ہم شغل کے قلم سے یہ ضرورت بھی پوری ہو جائے گی۔ وما توفیقی الا باللہ العلی العظیم۔

شہید اعظم

(از نتیجۂ فکر عالیجناب سید توکل حسین صاحب مدظلہ۔ بیدل جلالوی)

مظلومی پہ تیری کیا سب نے ماتم | قدموں پہ ترے جھک گیا سارا عالم
بخشی ہے تری موت نے ایمان کو حیات | اے زندۂ جاوید شہید اعظم

ذوقِ عبادت

(از جناب سید باسط حسن صاحب آہر لکھنوی)

تلوار کے سائے میں سجدہ، یہ ذوقِ عبادت کیا کہنا
اے جانِ نبوت کیا کہنا، اے شاہِ ولایت کیا کہنا
کچھ ردّ و بدل تجھ میں نہ ہوا، اے تاجِ امامت کیا کہنا
قرآن سے اونچا ہو کے رہا، اے پلّۂ عترت کیا کہنا
کروائی پیمبرؐ سے ہجرت، سُلوایا علیؑ کو بستر پر
یوں شمع تقیہ روشن کی، اے شاہِ ہجرت کیا کہنا
توحید کی راہیں دکھلادیں، اپنوں کی کردی قربانی
اے شمعِ ہدایت کیا کہنا، اے نورِ امامت کیا کہنا
قاسمؑ کی میّت کو لانا، اکبرؑ کی میت پر جانا
اے راہِ مشیت کے سالک، یہ صبر و قناعت کیا کہنا
عاشور کی شب سوئے اکبرؑ لیکن زلفیں بل کھا گئیں
یہ ذوقِ نصرت کیا کہنا، یہ شوقِ شہادت کیا کہنا
پیاسوں کے خونِ ناحق سے، دامن رنگیں کرنے والوں
عترت کے لہو کے پردوں میں، انکارِ رسالت کیا کہنا
سرور کے گلے پر پھیری چھری، زینبؑ کو پھرایا ننگے سر
امت نے دیا پیغمبرؐ کو، یوں اجرِ رسالت کیا کہنا
اک سمت نواسہ کے غم میں، پیغمبر روتے پھرتے ہوں
اک جانب امت والوں میں، ہو جشنِ مسرت کیا کہنا
ماہرؔ دیکھو تو دنیا کو، برباد کیا جس کا گلشن
ہیں اس سے امیدیں بخشش کی، ہنگامِ قیامت کیا کہنا

سلامٌ علیک

(از جناب سروش ملیح آبادی)

بگو سروش بہ شاہ ہدا سلام علیک
رئیس کشورِ جود و سخا سلام علیک
سکون و راحتِ قلبِ محمدِؐ عربی
شمیمِ گلشنِ خیر النساؑ سلام علیک
غلامِ مرکزِ نور است جبرئیلِ امیں
خطیبِ منبرِ عرشِ علا سلام علیک
سُہیلِ چرخِ نبوّت امامِ جن و بشر
امینِ امتِ خیر الورا سلام علیک
نقوشِ پائے تو بوسہ لبِ حیاتِ ابد
اے خضرِ جادۂ صبر و رضا سلام علیک
ستونِ معرفتِ لا الٰہ الّا اللہ
امیرِ قافلۂ اولیا سلام علیک
شمیمِ یک نفسِ تو، شریعتِ اقدس
زبانِ مصحفِ دینِ خدا سلام علیک
بہ زیرِ چرخ توا ے شاہزادۂ کونین
سوارِ دوشِ رسولِ خدا سلام علیک
غریب و بے وطن و بیکس و شہیدِ الم
مسافرِ رہِ کرب و بلا سلام علیک
سرم نثار سُمِ ذوالجناحِ پاکِ جناب
بہ کفشِ پائے تو جانم فدا سلام علیک

معرکۂ عاشورہ

(از جناب مرزا فدا علی صاحب خنجر لکھنوی)

کربلا کا خونریز معرکۂ کارزار زور و شور سے جاری تھا۔ حق کے فدائیوں پر باطل پرستوں کی بے پناہ یورش ہو چکی تھی۔ تین شبانہ روز کے تشنہ و گرسنہ مجاہد تلواروں کی بے شمار چمکتی ہوئی بجلیوں کے سایہ میں عقلوں کو حیران کر دینے والی شجاعت و شہامت کے لاثانی نمونے پیش کر کر کے رزمی جوش و خروش کا مظاہرہ کرنے میں بہ دل محو و منہمک تھے۔

چوں کا تاب ناک آفتاب معتزہ رفتار کے ساتھ محوری راستہ قطع کر رہا تھا۔ آتش بار سموم کے جاں ستاں جھونکے جنگ آزما سورماؤں کو جھلسے ڈالتے تھے۔ معلوم ہوتا تھا آسمان سے آگ برس رہی ہے! عمر سعد کی فوج کے سقے ٹھنڈے پانی کے شربے لیے پیاسوں کی پیاس بجھانے پھرتے تھے۔ جن ہیل تنوں کی فولادی زرہیں انگارے برساتے ہوئے سورج کی گرم گرم کرنوں سے تپ اٹھتی تھیں وہ انھیں شربوں کا سرد پانی چھڑک چھڑک کران کی حدت دور کر لیتے تھے۔ اس تدبیر سے کچھ نہ کچھ تسکین ہو جاتی تھی اور وہ تازہ دم ہو کر لڑائی جاری رکھنے کی صلاحیت پیدا کر لیتے تھے۔

شاہِ کم سپاہ کی طرف یہ سہولتیں حاصل نہ تھیں۔ اُن پر آلِ ابوسفیان کے بے رحم ہوا خواہوں نے ساتویں محرم سے آب و غذا روک دی تھی۔ فرات کے لہرتے ہوئے پانی سے جانور تک سیراب ہو سکتے تھے اور ایک قطرۂ آب نہیں مل سکتا تھا تو ساقیِ کوثر کے فرزند، اُس کے ننھے ننھے بچوں یا اصحاب و انصار کو آفریں صد ہزار آفریں ان وفا سرشتوں پر جنھوں نے ہونٹ بھی خشک لبوں کو حرفِ شکایت سے آشنا ہونے نہ دیا اور خوے احتیاط کو کمال کی اس بلند ترین چوٹی تک پہونچا دیا جہاں وہم و گمان کو بار ملنا محال ہے! امتحان کی ان کڑی منزلوں میں ایک آن کیواسطے دل تنگ نہ ہوئے۔ پیاس کی شدت یا اشتہا کے تکدر میں آقائے کونین کی حضور میں پیش ہوئے تو اُترى ہوئی صورتوں پر بحالی کی غازہ گری کر لی کہ سردار دوجہاں ان کی حد سے بڑھی ہوئی زحمتوں کے احساس سے ملول نہ ہو جائیں۔

بزمِ فلک میں جس طرح چاند کے گرد ستاروں کا ہجوم رہتا ہے یونہی مسند نشین امامت کے چاروں طرف جاں نثاروں کا مجمع تھا۔ وہ جیتے جی اپنے امامؑ پر کوئی آنچ آنا گوارا نہیں کرتے تھے۔ حالانکہ ان بہتر بھوکے پیاسے بہادروں کے مقابلے میں کم سے کم تیس ہزار انسانیت کے دشمنوں کا ٹڈی دل آ کھڑا ہوا تھا جو اُس زمانے کے بہترین ہتھیاروں سے مسلح تھا۔ اُن کے تنومند جسموں پر دوہری تہری زرہیں تھیں۔ کمر میں تلواریں، ہاتھوں میں برچھے اور دوش پر کمانیں تھیں۔ وہ مضبوط و تیز رو گھوڑوں پر سوار تھے، کوئی حربہ یا کوئی ساز و سامان ایسا نہ تھا جو ان کے پاس مہیا نہ ہو۔

اُن کے برخلاف امامؑ کے زیرِ رکاب جو لوگ تھے وہ سب کے سب بھوکے پیاسے ہونے کے علاوہ دشمنوں کی طرح حربی آلات سے آراستہ نہ تھے ان میں شاذ ہی کوئی ایسا جانباز ہوگا جو تلوار کے ساتھ نیزہ یا برچھی کے ہمراہ تیغہ رکھتا ہو۔ ساری فوج کا جائزہ لینے پر کم تر جوان خود و زرہ میں محفوظ نظر آتے تھے۔ سواروں کی تعداد انگلیوں پر گنی جا سکتی تھی مگر ایمانی طاقت کی دھاک کچھ ایسی بیٹھی تھی کہ کوفہ و شام کے سرداروں کو انفرادی جنگ کرنے کا حوصلہ نہ پڑتا تھا۔ چند پہلوان جنھیں ان کے نفسوں نے دلاوری کے فریب میں مبتلا کر دیا تھا: حمقانہ مبارز طلبی کے مرتکب ہوئے بھی تو چشم زدن میں مجاہدین کی صاعقہ بار تیغوں نے کیفرِ کردار کو پہونچا دیا۔

شاید یہی وجہ تھی کہ شمر نے ابن سعد کو جنگ مغلوبہ کا مشورہ پیش کر دیا اور اُس نے قبول کرتے ہوئے اپنے میمنۂ فوج کے سردار عمرو بن الحجاج کو حسینی میسرے پر حملہ کرنے کا حکم دے دیا۔ یکایک غریو کرتا ہوا فوجی سیلاب روانہ ہوا بادی النظر میں ایسا ہجوم ہوتا تھا جیسے امواج سمندر کی رو پچاس بہادروں کے مختصر سے میسرے کو بہالے جائے گی لیکن اس نازک محل پر مسلم بن عوسجہ نے جو فن کارانہ اصول اختیار کیا وہ اتنا مؤثر ثابت ہوا کہ ہزاروں آہن پوشوں کی ٹکر ایک چھوٹی سی صف کو توڑنے سے ناکام رہی۔ اگرچہ کثرت نے قلت کو کچلنے میں ایڑی چوٹی کا زور صرف کیا تاہم صرف پچاس جواں مردوں کے سیدھے نیزوں نے سینکڑوں کے سینے توڑ کر ان کے بڑھتے ہوئے قدم روک دیئے۔ گھمسان کا رن پڑا۔ نتیجہ میں عمرو بن الحجاج کو ہزارہا کشتے چھوڑ کر راہِ فرار اختیار کرنا پڑی۔

دن کے ساتھ لڑائی زور پکڑتی جاتی تھی۔ باطل کے پہلے ہی حملے میں انصار کی جماعت نصف سے زیادہ نصف نثاری کا حق ادا کر کے جنت الفردوس کو سدھار چکی تھی

ہر چند اس حملے میں عمر سعد کے میمنے کو کافی سے زیادہ نقصان اٹھا کے پسپا ہونا پڑا تھا لیکن ان کے حوصلے بڑھ گئے تھے۔ انھوں نے غیر معمولی کثرت کے زعم میں ارادہ کر لیا تھا کہ جلد سے جلد اس مہم کو ختم کر دیا جائے یہی باعث تھا کہ عمرو بن الحجاج کے واپس ہونے ہی یزیدی میسرے کے سالار شمر بن الجوشن نے حسینی میمنہ پر حملہ کرنے کی تیاری جاری کر دی۔

خدا کی خوشنودی کے واسطے جہاد کا فریضہ بجا لانے والے ہنوز مسلم بن عوسجہ اور ان کے بہادر ساتھیوں کی جاں نثاری پر غور ہی کر رہے تھے کہ دوسرا تصادم ہو گیا۔ حبیب ابن مظاہر نے بڑے استقلال و ثابت قدم سے مقابلہ کیا۔ ان کی کفر شکن شمشیر نے حریفوں کا منہ پھیر دیا مگر کثرت و قلت کے غیر متوازن تقابل کو کیا کرتے؟ ادھر سیکڑوں کا نقصان بھی ضعف کا موجب نہ ہوتا تھا۔ اس کے برعکس ادھر دو سرفروشوں کی کمی بھی نمایاں کمزوری کا باعث ٹھہرتی تھی ـ عالم یہ تھا کہ حسینی سپاہ میں میمنہ و میسرہ، قلب و جناح کی ترتیب کا شیرازہ منتشر ہو چکا تھا۔ جوانان بنی ہاشم کے سوا چند ہی جواں مرد باقی رہ گئے تھے جو اپنے سید و مولا کی رکاب تھامے رفاقت کا حق ادا کر رہے تھے ۔

آفتاب اس معرکہ سے درس عبرت حاصل کرتا ہوا مغربی منزل کی طرف راہی تھا دوپہر کی تند و تیز دھوپ ریگستان کے آتشیں ذروں کو دہکا رہی تھی۔ نماز ظہر کا اول وقت شروع ہو چکا تھا۔ عمر سعد کے وحشی لشکریوں نے نبیؐ زادے کو خدا کی بہترین عبادت کے لیے چند لمحوں کی رخصت دینا قبول نہ کیا۔ جس سے اصحاب و انصار میں شہادت کا جذبہ زیادہ سے زیادہ ہو گیا۔ شمع امامت کے غیور پروانے جانبازی و فداکاری کے سلسلہ میں ایک دوسرے پر سبقت کرنے لگے۔ ان کی ہر بہادر فرد متمنی تھی کہ سب سے پہلے وہی تیغ و تبر کا خار زار طے کر کے گلشن ارم میں مسکن حاصل کرے ۔

حبیب ابن مظاہر، سعید بن عبداللہ، ابو ثمامہ صائدی۔ حُر بن یزید ریاحی اور زہیر بن قین باری باری سے اپنی جانیں نثار کر کے بارگاہِ رسالتؐ پناہ میں حاضر ہو چکے تھے۔ جو اصحاب و انصار بچ رہے تھے وہ سرفروشانہ جد و جہد میں مصروف تھے ۔

عمرو بن قرظہ کو ان شہیدوں کے پیچھے رہ جانا بہت شاق تھا انھیں خوف تھا کہ اشقیائے کوفہ و شام موجودہ گھمسان میں نبیؐ زادے یا اُن کے کسی قرابت دار کو شہید نہ کر دیں۔ وہ بڑھ کے امامؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور رکاب کو بوسہ دے کر دوبارہ منشائے خاطر عرض کیا۔ پھر جہاد کا اذن پا کر ہشاش بشاش جنگ دیکھا کو چل کھڑے ہوئے اُن کا حوصلہ بلند اور شہادت کا جذبہ بیش از بیش تھا۔ تلواروں کے پھلوں، تیروں کے پھروں سے جنت کی ٹھنڈی ٹھنڈی ہوائیں نکلتی محسوس ہو رہی تھیں چشم تصور کو تسنیم کی نشاط آگیں موجوں کا تماشہ کرنے میں محو تھی۔ اس عالم میں وہ شمشیر بکف دشمن کی صفوں پر جا پڑے شیرانہ مجادلہ جاری ہو گیا۔ جوش و خروش کی فراوانی میں، کوئی چیز موت سے بڑھ کر دلپذیر نہ تھی۔ فرزندِ رسولؐ کی نصرت و اطاعت کے بڑھتے ہوئے شوق کا اظہار رجزیہ اشعار سے ہو رہا تھا "تمام انصار کی جماعت واقف ہے کہ میں ذمہ داری کی حدود کی حفاظت کروں گا۔ ایسے جوانمرد انسان کی طرح شمشیر زنی کروں گا جو پیچھے ہٹنے والا نہ ہو۔ حسینؑ پر میری جان اور گھر بار فدا ہو"

وہ صفوں میں گھس گھس کر تیغ زنی میں مصروف تھے۔ جو اجل رسیدہ سامنے آ جاتا پھر بچ کے نہ جا سکتا تھا اللہ بہتر جاننے والا ہے کہ انھوں نے شام کے بادل میں ڈوب کر کتنے خود سروں کو بے سر کر دیا اور کتنے فرش نشینوں کو خاک مذلت پر گرا دیا۔ لیکن اس تگ و تاز میں خود بھی زخموں سے چور چور ہو گئے۔ سامنے سے تو کسی بزدل کو ان پر حملہ کرنے کی ہمت نہ ہوتی تھی البتہ وقتاً فوقتاً پس پشت سے جو وار ہوتے تھے ان کی جراحتیں پھولوں کے مانند کھلی ہوئی تھیں۔

چار پانچ گنی تعداد سے معرکہ پیش آتا تو یقیناً عمرو بن قرظہ کی تلوار کا نٹ چھانٹ کر ان کا خاتمہ کر دیتی مگر یہاں تو آدمیوں کا اتنا وسیع جنگل تھا کہ ایک بہادر کی انسانی طاقت عہدہ برآ ہو ہی نہیں سکتی تھی رفتہ رفتہ زخموں سے ماء الحیات (خون) خارج ہوتا رہا یہاں تک کہ ان پر نقاہت کا غلبہ ہونے لگا اس محل پر ان کے جذبۂ فداکاری نے ایک اور رنگ اختیار کیا۔ وہ لڑتے بھڑتے حریف کے ہجوم سے نکل کر امامؑ کے سامنے آ کھڑے ہوئے اور عمر سعد کی طرف سے جو تیروں کی بوچھار ہو رہی تھی۔ اسے بڑھ بڑھ کر سینے پر روکنے لگے!

اس عدیم النظیر سعی کا یہ اثر ہو کہ پاؤں لڑکھڑانے اور سر گھومنے لگا۔ بڑھتے ہوئے ضعف اور گھٹتی ہوئی طاقت نے شہادت کی نوید پیش کی۔ طائر روح فردوس کے اشتیاق میں تولنے لگا۔ قلبی مراد پوری ہونے کا یقین ہوتے ہی آقائے نامدار کی خدمت میں عرض کی "کیوں فرزند رسولؐ! میں نے اپنا فریضہ پورا کر دیا؟"

حضرت نے محبت کی جاں نواز نگاہوں سے دیکھتے ہوئے ارشاد کیا "بیشک! تم مجھ سے پہلے جنت میں داخل ہو گئے، وہاں پہونچ کر رسولؐ خدا کو میرا سلام عرض کرنا اور کہنا کہ میں بھی عنقریب حاضر ہو رہا ہوں!"

عمرو بن قرظہ کی سماعت تک یہ بشارت پہنچی، خدمتیں مقبول ہونے کی مسرت نے دل کا کنول کھلا دیا۔ سوکھے ہوئے ہونٹوں پر مسکراہٹ کھیلنے لگی، نقاہت سے پاؤں تو لڑکھڑا ہی رہے تھے سنبھلا نہ گیا تو جھوم کر گر پڑے اور روح پاک مجروح پیکر سے نکل کر

گلشن فردوس کی طرف پرواز کر گئی۔

علی بن قرظہ، عمرو بن قرظہ کا وہ سوختہ نصیب چھوٹا بھائی تھا جسے شومیٔ قسمت نے صراطِ مستقیم سے گمراہ کر کے نفسِ امارہ کی بھول بھلیاں میں پھنسا رکھا تھا اور حرص و دولت و حبِ جاہ نے بھلاوا دے کر عمر ابن سعد کے حلقہ بگوشوں میں شامل کر دیا تھا۔ باطل کی طرف داری اور حق سے روگردانی اس کا وطیرہ بن چکا تھا۔ بے انتہا انعام و اکرام کی طمع نے اسے نبی زادے کے خلاف صف آرائی پر ابھار کر یزیدی سپاہ کے ساتھ میدانِ کربلا تک پہنچا دیا تھا۔ آئی تھی یہاں پہنچ کر اس نے بڑے بھائی عمرو بن قرظہ کو فرزندِ نبی کے ناصروں میں شریک پایا تو نمایش کے طور پر کچھ نصیحتیں کیں۔ زر و جواہر، جاہ و منصب کا لالچ نیز عبرتناک موت کا خوف دلا کر اپنی طرف بلانا چاہا لیکن عمرو بن قرظہ نے ذلت کی زندگی پر عزت کی موت کو ترجیح دے کر کفر و نفاق کی ضلالت میں پھنسے ہوئے بھائی کے ہلاکت آفریں مشورے کو حقارت سے مسترد کر دیا۔

علی نے اس وقت تو مجبوراً سکوت اختیار کر لیا لیکن قلبی خواہش رہی کہ کسی نہ کسی عنوان سے بھائی کو بچانا چاہیے۔ اس نے بطور خود طے کر لیا تھا کہ ذاتی اثر و رسوخ کے ذریعہ اس کی حفاظت کا انتظام کر دیا جائیگا۔ جب یہ منصوبہ پورا نہ ہو سکا تو اس خیال سے تسلی حاصل کی کہ جنگ کے خاتمہ پر زخموں کا معالجہ ہو سکتا ہے اور عمر سعد کی وساطت سے ابنِ زیاد کا امان نامہ بھی مل سکتا ہے۔ اب عمرو بن قرظہ کو نیزہ و شمشیر، تیر و تبر کی جراحتوں سے پارہ پارہ ہو کر گرتے اور تڑپ تڑپ کر دم توڑتے دیکھا تو برداشت نہ کر سکا طبیعت میں بھرا ہوا غصہ نکلا اور سبطِ نبیؐ کے بالمقابل پہنچ کر کہا۔ بے ادبانہ لہجہ میں "یا حسینؑ! تم نے میرے بھائی کو گمراہ کیا اور ورغلا کر قتل کرا دیا۔"

اس کے نازیبا کلمات رسول زادے کی سمع مبارک تک پہونچے۔ آپ نے ارشاد فرمایا "خدا نے تیرے بھائی کو ہرگز گمراہ نہیں کیا بلکہ اس کی تو ہدایت فرمائی۔ بے شک، گمراہی میں تجھے چھوڑ رکھا ہے۔"

جواب سن کر علی بن قرظہ کا غصہ اعتدال کی حد سے بڑھ گیا۔ سامنے ہی عمرو بن قرظہ کا بے جان پیکر خون میں ڈوبا ہوا زمین پر بے حس و حرکت پڑا تھا۔ معلوم ہوتا تھا شہید کے لاشے پر سرخ چادر اڑھا دی گئی۔ لبوں پر وہ مقدس تبسم اب تک نمودار تھا جو امام کی زبانِ مبارک سے فداکاری کی سند حاصل ہونے سے ظاہر ہوا تھا اگر علی بن قرظہ کے دل کی آنکھیں اندھی نہ ہوتیں تو وہ یقیناً اس رمز کو دیکھتا اور سمجھتا لیکن قسمت کی شومی نے اُسے بہشت کی سیدھی راہ سے بھٹکا کر دوزخ کے جادہ پر ڈال دیا تھا۔ اس نے اپنے آپ کو فراموش کرتے ہوئے بے باکانہ پکار کر کہا "خدا مجھے قتل کرے اگر میں تمھیں قتل نہ کروں یا خود ہلاک نہ ہو جاؤں۔"

جملہ تمام ہوتے ہی تلوار کا قبضہ پکڑ کر امامؑ پر حملہ آور ہوا۔ قریب تھا کہ اس ناپاک کی تیغ نبیؐ زادے کے جسدِ مقدس کو بوسہ دے کہ نافع بن ہلال جملی بجلی کی طرح تڑپ کر سامنے آیا ابھی علی بن قرظہ کا تلوار والا ہاتھ بلندی سے پستی کی جانب مائل ہوا ہی تھا کہ نافع کے نیزے نے مجروح کر کے گھوڑے کی پشت سے زمین پر گرا دیا اور وہ دلیر کے حملے کی تاب نہ لا کر بے حس ہو گیا۔

سلام

(از شاعرِ آل محمدؐ جناب سید انسر علی صاحب تقا جلالوی)

شہید رکھتے ہیں کیا کیا صفات مٹھی میں
فنا کی بزم ہے، جام حیات مٹھی میں

وہ بحرِ دیں میں تلاطم، وہ ناخدا شبیرؑ
وہ سخت وقت، وہ کوہِ ثبات مٹھی میں

اُدھر تھا بیعتِ فاسق پہ، زندگی کا سوال
اِدھر تھی حق کی حیات و ممات مٹھی میں

یہ حُرؑ سے کہتا رہا، رات بھر دلِ آزاد
اُدھر چلو، تو ہے راہِ نجات مٹھی میں

وفا کی شان تھی، اُسوقت لب نہ تر کرنا
ہر ہر گھاٹ پہ، نہر فرات مٹھی میں

یہ درس صبر زمانہ کو، اے علی اصغرؑ
کہ تیر حلق میں، اور حق کی بات مٹھی میں

وہ امتحاں کی رفعت، وہ شاہِ دیں کا وقار
کہ لاش تیروں پہ اور کائنات مٹھی میں

تقا دعا ہے کہ بعدِ فنا سرِ محشر
ہو دامنِ شہِ عالی صفات مٹھی میں

علمبردارِ وفا

عباسؑ تجھے اہلِ وفا یاد کریں گے

(از جناب حکیم محمد کاظم صاحب بنارسی)

عاشور کی وہ شام وہ سنّاٹے کا عالم　　فطرت کی خموشی میں فرشتوں کا وہ ماتم
سویا ہوا رن میں اسداللہ کا ضیغم　　اور خون میں ڈوبا ہوا اسلام کا پرچم
عباسؑ تجھے اہلِ وفا یاد کریں گے

دیکھی نہ گئی بچوں کی جب تشنہ دہانی　　آنکھوں میں کھٹکنے لگی موجوں کی روانی
پانی کے لئے اپنا لہو کر دیا پانی　　بچپن پہ سکینہؑ کے فدا کر دی جوانی
عباسؑ تجھے اہلِ وفا یاد کریں گے

قبضہ میں تھی تلوار کہ قبضہ میں خدائی　　دو ہاتھ چلی تھی کہ تباہی نظر آئی
بھائیؑ کی دعا دور سے دیکھا کیے بھائی　　یوں شانِ وفا تو نے وفادار دکھائی
عباسؑ تجھے اہلِ وفا یاد کریں گے

ناکام ہوئی دشمنوں کی کوشش پیہم　　گرنے نہ دیا خاک پہ اسلام کا پرچم
جب تک رہی جاں جسم میں سینہ میں تھا دم　　رتی پہ ٹہلتا رہا اسلام کا ضیغم
عباسؑ تجھے اہلِ وفا یاکریں گے

دنیا سے گیا شانِ وفاؤں کی دکھا کر　　پانی نہ پیا پھینک دیا منہ سے لگا کر
گھوڑے سے گرے خاک پہ بازو کو کٹا کر　　سویا بھی تو سوتی ہوئی ملّت کو جگا کر
عباسؑ تجھے اہلِ وفا یاد کریں گے

اے فاطمہ زہراؑ کے قمر نیّر تاباں　　بازوئے حسینؑ ابن علیؑ ناصر ایماں
خالق کی قسم کر گیا اسلام پہ احساں　　اے مشک سکینہؑ کے محافظ ترے قرباں
عباسؑ تجھے اہلِ وفا یاکریں گے

کاظمؔ کوئی کرتا ہے تو کرنے دو بہانہ　　گونجے گا فضاؤں میں وفاؤں کا ترانہ
ہر رنگ میں ڈھل جائے گا یہ غم کا فسانہ　　فطرت تو نہ بدلے گی بدل جائے زمانہ
عباسؑ تجھے اہلِ وفا یاد کریں گے

بھائی کی آخری آواز

(از قائم الملت جناب مولانا سید قائم مہدی صاحب صدالافاضل)

حقیقی بھائی ہو یا مختلف البطن ایک ہی ماں کے شکم میں پرورش پائی ہو یا صلب تو ایک ہی ہو لیکن منزل، انعقاد حمل بدل گئی ہو بہر حال بھائی پھر بھائی ہے۔ بھائی سے کمزور بازو قوی ہوتے ہیں کمر سیدھی رہتی ہے اگر بھائی نہو تو مضبوط بازو بھی کمزور معلوم ہوتے ہیں البتہ قابیل سا بھائی خدا دشمن کو بھی نہ دے ہابیل و قابیل ایک ہی صلب کے اور ایک ہی شکم میں پرورش پائے تھے ایک ہی خون سے دونوں بھائیوں کے قصر جسم کی نیو رکھی گئی تھی وہی خون قابیل کی رگوں میں بھی دوڑ رہا تھا جو ہابیل کے جسم کی تربیت میں مصروف تھا مگر واقعات کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ قابیل بھی حضرت آدم و حوا کا فرزند تھا اور ہابیل بھی لیکن ایک مسجود ملائکہ خلیفۃ ارض کی جانشینی کے قابل مسند خلافت ارض کی زینت پسندیدہ نگاہ قدرت اور ایک مردود بارگاہ رب العزت ناقابلیت و نااہلیت کے باعث سے ولد اکبر حضرت آدم ہوکر بھی جانشینی کا مستحق نہ ٹھہرا اور ہابیل کو صفی اللہ نے ان کی اہلیت کی وجہ سے بحکم خدا اپنا جانشین مقرر کیا بس ہابیل کے اس شرف و اعزاز کو قابیل نے چشم حسد سے دیکھا پہلے تو غیظ و غضب نے باپ کے پاس بھیجا شکایتاً کہا کہ بڑا بیٹا جانشین نہ ہوا اور چھوٹا اس عزت کا وارث قرار پائے جناب آدم نے بعلم نبوت فرمایا کہ ہابیل کو خدا نے میرا جانشین بنایا چشم قدرت کے انتخاب کے سامنے میں مجبور ہوں ضدی اور جاہل بیٹے نے سچے نبی کے قول کو غالباً باور نہ کیا تو جناب آدم نے قابیل کے دل کو اپنی جانب سے صاف کرنیکی غرض سے اور خدائی فیصلہ کے سامنے قابیل کا سر اطاعت جھکا دینے کی غرض سے فرمایا کہ تم دونوں بھائی بارگاہ نیاز میں نذریں پیش کرو جس کی نذر شرف مقبولیت پائے بس اسی کو خلیفۂ ارض سمجھنا کہ خلیفۃ الارض کا خلیفہ مقرر کیا ہے قابیل و ہابیل نذر لیکر دامن کوہ میں آئے متقی و پرہیزگار صالح و عبادت گزار ہابیل کی نذر انکسار و تواضع اظہار عبدیت و اخلاص کے ہاتھوں پر تھی اسلئے اسوقت لب قدرت پر اظہار مہربانی و لطف کی ہنسی آگئی بجلی چمکی اور ہابیل کی نذر کو قبولیت کی روشن اور چمکیلی سند دی گئی۔ قابیل تکبر و حسد و بغض کی آگ میں اور بھی جلا حرمان و یاس کی بڑھتی ہوئی یبوست بھی بغض و حسد میں شامل ہوگئی ہوائے تکبر و نخوت نے خوب خوب آنچ تیز کی آخری غصۂ ناکامی سینہ سے اُبل پڑا قاتلانہ آنکھیں سرخ ہوگئیں تلوار کھینچ لی بھائی کی طرف جھپٹا۔ ہابیل نے خدا ترسی اور علم نبوت کو پیش نظر رکھتے ہوئے کہا کہ اگر تم مجھ کو قتل بھی کروگے تو میں تمہاری طرف قاتلانہ ہاتھ بڑھاؤں گا سخت دل قابیل نے چھوٹے بھائی کی اس محبت کی گفتگو پر بھی رحم نہ کھایا ہابیل کے سر و جسم میں اپنی خون آشام تلوار سے جدائی ڈلوا دی ہابیل کا چراغ ہدایت تو ٹھنڈا ہو گیا مگر قابیل کا دل آتش غم سے جلتا ہی رہا جس لیے ہابیل کو مار ڈالا تھا وہ بات جب بھی قابیل کو نصیب نہ ہوئی عہدہ نبوت نہ ملنا تھا نہ ملا دین و دنیا دونوں میں نقصان اٹھانا پڑا بھائی بھی ہاتھ سے گیا اور عزت بھی دنیا والوں نے بھی بُرا کہا اور آخرت میں عذاب الیم نے بھی رسوا کیا۔ ہاں عباسؑ۔ ہاں اسد شیر خدا ہاں اے معدن جوہر وفا ہاں اے خزانہ صدق و صفا آپ نے اس منزل بلند پر قدم رکھکر اس کو اور بھی بلند کر دیا جس منزل پر حضرت آدم خلیفۂ ارض کے بڑے بیٹے کے قدم پھسل سکے۔ اُس نبی کا بیٹا جاہ و منصب کی لالچ میں گمراہ ہوگیا اپنے بھائی کا قاتل بنا جو قصر نبوت کی خشت اول تھا مگر کیا کہنا حسینؑ کے بھائی کا کربلا کے میدان میں تین دن کی پیاس میں اپنے بھائی پر جان نثار کر کے دنیا کو بتا دیا کہ جس طرح آدم ابوالبشر سے رسول خدا خیر البشر مرتبہ میں افضل تھے اسی طرح خیر البشر کے نائب حقیقی کی اولاد بھی اولاد آدم سے بہتر و افضل ہے۔ اگر نبوت کے دامن پر یہ داغ ہے کہ نبی کی اولاد میں سے ایک بھائی نے دوسرے بھائی کو خلاف مرضی خدا سبب جرم و خطا اپنے پیارے اور بے زبان بھائی اور جانشین نبی کو مار ڈالا تو علیؑ کی امامت تا قیامت فخر کرتی رہے گی کہ عباسؑ نے نبی کے محبوب نواسے اور جانشین پر اس طرح بے جگری سے جان فدا کی کہ حشر تک عالم کے سچا عوں اور وفاداروں میں شہنشاہ اقلیم وفا کا افسانہ سبق آموز باقی رہے گا۔ بلکہ اگر حجاب مادیت سامنے سے اٹھ جائے

اور چشم معرفت عالم بالا کی اور بزم روحانیین کی سیر کرے تو یوسفؑ و بن یامینؑ موسیٰؑ و ہارون نبیؑ و علیؑ کی اخوت بھی حسینؑ و عباسؑ بن علیؑ کی اخوت سے ایک درجہ پست نظر آتے بلکہ امام حسنؑ بھی یہ فرماتے ہوئے نظر آئیں کہ اے عباسؑ تم نے تو حسینؑ کا بھائی اور قوت بازو ہونے کی ایسی لاج رکھی کہ انبیاء کے فرزندوں میں بھی ایسے دو حقیقی بھائیوں کی مثال ڈھونڈھے سے بھی نہیں مل سکتی۔ شاید اس وقت حضرت عباسؑ انکسارانہ شرم کے ساتھ گردن جھکا کر عرض کریں کہ آقا آپ دونوں بزرگوار سرداران جوانان جنت ہیں میں تو آپ دونوں کا غلام ہوں مجھے تو سید الوصین امیر المومنین علی ابن ابیطالب نے اپنے آقا و مولا حسینؑ پر جان فدا کرنے کے لیے ذخیرہ ہی کیا تھا۔ مولا میں تو شمع امامت کا ہمیشہ ہی سے پروانہ تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ جس طرح شمع کے پھلے پر وانے اپنی جان دیدیتے ہیں اور شمع عالم تنہائی میں آٹھ آٹھ آنسو رو کر دنیا سے رخصت ہوجاتی ہے اسی طرح امام حسینؑ بھی اپنے ہر ایک جاں نثار کی لاش پر روتے حر کی میت پر مرثیہ پڑھا مسلم بن عوسجہ حبیب ابن مظاہر زہیر قین کے ایسے ذی مرتبہ دوستوں پر گریہ کیا قاسم سے حسین و خوبصورت بھتیجے کی لاش اٹھا کر مقتل سے لائے سب کو رو چکے تھے بس اپنے لشکر کے علم دار اور قوت بازو کو رونا باقی تھا آخر وہ وقت بھی آگیا کہ جب کربلا کے ۷۲ بہتر پیاسوں میں جنگ کے قابل صرف ۲ دم باقی رہ گئے ایک حضرت امام حسینؑ اور دوسرے جناب عباسؑ یہی وہ تنہائی اور بیکسی کا وقت تھا جس کے صرف خیال ہی سے دوستوں کے دل ٹکڑے ٹکڑے ہوجاتے ہیں یہ وقت تو ایسا مصیبت ناک وقت تھا کہ دشمنوں کے بھی آنسو نکل آتے۔ چنانچہ جب جناب مختار نے خون ناحق امام حسین علیہ السلام کا انتقام لینا شروع کیا اور قاتلان امام گرفتار ہو ہو کے سامنے آنے لگے منجملہ اور دشمنوں کے ایک روز لوگ ابو خلیل کو گرفتار کر کے مختار کے سامنے لائے۔ مختار نے پوچھا بتا تو نے میرے آقا و مولا پر کیا کیا ظلم کیے؟ ابو خلیل نے کہا اے امیر میں نے خود کوئی ظلم نہیں کیا میں تو صرف لشکر نویس تھا۔ مختار نے کہا بتا یزید لشکر کتنا تھا۔ اس نے کہا ۳۲ ہزار پیادہ ۴۰ ہزار سوار۔ مختار نے کہا اور میرے آقا کا لشکر؟ اس نے کہا ۳۲ پیادہ ۴۰ سوار۔ مختار نے کہا اچھا یہ تو بتا کہ تجھے کسی وقت میرے آقا پر رحم بھی آیا تھا اس نے کہا ہاں امیر ایک وقت ایسا تھا کہ میرے بھی بے اختیار آنسو نکل آئے اور وہ وہ وقت تھا جب تمام لشکر ختم ہو چکا تھا اور صرف امام حسینؑ اور جناب عباسؑ رہ گئے تھے۔ جب حسینؑ چاہتے تھے کہ میں میدان میں جاؤں تو عباسؑ روک لیتے تھے اور جب عباس چاہتے تھے کہ میں میدان میں جاؤں تو حسینؑ روک لیتے تھے۔

مگر واہ ری عباسؑ کی وفاداری یہ کسی طرح گوارہ نہ ہوا کہ اپنی آنکھوں کے سامنے اپنے چاہنے والے بھائی کو خاک و خون میں آلودہ دیکھتے۔ ناظرین میرا ناقص خیال یہ ہے کہ اگر خیمہ سے بچوں کی آواز۔ العطش قد قتلنی ۔ ارے پیاس مارے ڈالتی ہے۔ بلند نہ ہوتی تو امام حسینؑ بھی تنہا بھائی کو مرنے کے لیے نہ جانے دیتے۔ یہی وجہ تھی کہ امامؑ نے فرمایا بھائی! بچوں کے لیے پانی لاؤ۔ چنانچہ جناب عباسؑ ایک چھوٹی سی مشک اور نیزہ لے کے پانی لینے چلے۔ اس سے ظاہر ہے کہ لڑنے کے ارادہ سے نہیں گئے تھے ورنہ کم از کم تلوار ضرور لے کے جاتے۔ لیکن اگر اذن جہاد مل جاتا اور عباسؑ لڑنے کی طرح لڑ جاتے تو نہ لشکر ہوتا نہ سپہ دار نہ پسر سعد بچتا نہ اس کا چتر زرنگار۔ نہ حرملہ رہتا نہ اس کی کمان۔ نہ نیزہ رہتا نہ سناں۔ نہ خولی رہتا نہ اس کی تلوار۔ نہ شمر بچتا نہ خنجر خونخوار۔ شاید یہی لم اذن نہ دینے کی ہو کہ اگر کہیں عباس لڑنے کی طرح لڑ گئے تو اُمت کا کام بگڑ جائے گا۔ بنے گا جب ہی کہ عباسؑ پانی لینے جائیں اور دونوں ہاتھ کٹائیں۔ سر پر کاری زخم کھائیں۔ کنارے فرات پیاسے دم توڑیں۔ ترائی قبضہ سے نہ چھوڑیں۔ وہی ہوا جب تیورا کے گرنے لگے بھائی کو آواز دی یا اخاہ ادرک اخاک اے بھائی اپنے بھائی کی خبر لیجئے۔ بھائی نے جواب دیا۔ الان انکسر ظہری و قلت حیلتی افسوس عباسؑ تم نے میری کمر توڑ دی اور تمام راہیں مسدود کر دیں۔ فقط

خادم سرکار حسین

قائم مہدی صدر الافاضل

بھائی

قطعہ تاریخ سقایت

(از جناب مولانا سید محمد باقر صاحب باقر جرواسی ضلع بارہ بنکی)

پایا تھا شاہِ دیں نے کیا لاجواب بھائی
پیری میں زورِ بازو فخرِ شباب بھائی

کہتے تھے چاند ان کو سب نسلِ ہاشمی کا
تھے آفتاب مولا اور ماہتاب بھائی

کھائے نہ تا کہ دھوکا کوئی برابری کا
خادم بنے نہ رکھا اپنا خطاب بھائی

کہتی تھی شہ کی ہمشیر رن میں ابھی نہ جاؤ
پہلے ہو ریش میری خوں سے خضاب بھائی

یوں ہوگی وقت رخصت حسرت مری دو بالا
جب ہو سوار بیکس تھامے رکاب بھائی

عباس جی چکے جب صورت رہی نظر میں
گویا کہ دیکھتا تھا بھائی ہو خواب بھائی

پہونچے یہ مشک لے کر میدان میں جو باقر
یہ کہہ اٹھا سن اسّٹھ جویائے آب بھائی

۱۶ ھ

قطعہ تاریخ شہادت

(از جناب مولانا سید محمد باقر صاحب باقر جرواسی ضلع بارہ بنکی)

علمدارِ نبوت تھا اگر مشکلکشا بھائی
امامت کو ملا عباس سا جانِ وفا بھائی

شجاعت انکی دو ہرے زور کی مالک نہو کیونکر
پدر شیرِ خدا ہے فاتحِ کرب و بلا بھائی

اخوت ان پہ نازاں، فخر تھا ان کو غلامی پر
شہِ دیں کے لئے انعامِ قدرت بن گیا بھائی

جوانانِ جہاں پر کیوں نہ بیٹھے آپ کا سکہ
ہر اک سردارِ شبابِ جناں ہے آپ کا بھائی

شہید بے خطا مولا جو تھے معصوم عصیاں سے
نہ تھی عصمت خطاؤں سے مگر محفوظ تھا بھائی

حرم کی چادریں سر سے جدا ہوتی نظر آئیں
دم رخصت جو آخر بار بھائی سے ملا بھائی

ہوا ساحل مقام ان کا بڑھا غم شاہ کا باقر
کہا ہجری میں دل نے۔ آہ آجا با حیا بھائی

۱۶ ھ

دو بھائی

(محترمہ جناب شباب فاطمہ قصبہ بجنور ضلع لکھنؤ)

اتنی سی بات تو دنیا جانتی ہے کہ بھائی کی ہستی ایک نعمت غیر مترقبہ ہوتی ہے مشہور ہے اولاد تو مل سکتی ہے مگر بھائی دوبارہ نہیں ملتا۔ مگر وہی بھائی جان سے زیادہ عزیز ہوتا ہے جو آڑے وقت میں کام آئے یوں تو حضرت آدم کی اولاد میں سب بھائی بھائی ہوتے ہیں ہر مذہب کے تاریخ کی ورق گردانی کی جائے تو وفادار بھائی کی شاذ و نادر مثالیں مل سکتی ہیں۔ ہندو دھرم میں رام و لچھمن جی کی گرانقدر ہستیاں تھیں۔ جب رام جی اپنی سوتیلی ماں کے ہتھکنڈوں سے بن باس ہو... تو لچھمن جی نے حق برادرانہ ادا کر دیا۔ دنیاوی شان و شوکت کو چھوڑ کر رام جی کے ساتھ مسافرت کی صعوبتیں اور خارزار جنگل کی تکالیف برداشت کر کے ثابت کر دیا کہ بھائی ہو تو ایسا ہو۔

اب اگر تاریخ اسلام پر نظر ڈالی جائے تو دو قابل قدر ہستیاں نظر آتی ہیں۔ جن کی دنیا آجتک کوئی نظیر پیش نہ کر سکی اور نہ پیش کر سکے گی۔ وہ کون ہیں

(۱) نفس پیغمبر فاتح خیبر اسد اللہ الغالب علی ابن ابی طالب

(۲) قمر بنی ہاشم قوت بازوئے شاہ کربلا ابوالفضل العباس

یہی دو مجاہد راہ خدا ہیں جنھوں نے نصرت اسلام بھی کی اور ایسا حق وفاداری بھی ادا کیا جس کا جواب ناممکن ہے۔ حضرت علی خاتم النبیین رحمت اللعالمین کے حقیقی چچا زاد بھائی تھے۔ عرب میں جب قحط پڑا تو پیغمبر خدا نے علی کو لے لیا۔ اور اپنی آغوش شفقت میں پالا۔ لعاب دہن چسا چسا کر علیؑ کے ہر رگ و پے میں علم عرفانی بھر دیا جب نام خدا علیؑ جوان ہوے تو پیغمبر کی ہر موقع پر نصرت کی۔ یہ علیؑ ہی کی تیغ خون آشام تھی جس نے بنائے اسلام کو استوار کر دیا بدر و حنین احد و خندق کی جنگوں میں علی نے کفار ازلی مرحب و انترا اور ......ایسے سرکشوں کو فی النار کر کے ملتِ پیغمبری میں چار چاند لگا دیے۔ اگر علیؑ کی ذات اقدس نہ ہوتی تو اسلام کی نشو و نما اگر محال نہیں تو دشوار ضرور ہو جاتی۔ شب ہجرت کا واقعہ یاد کیجیے۔ کفار عرب نے صاحب لولاک کے قتل کی پوری پوری سازش بڑے اہتمام سے کر لی تھی عرب کے ہم قبیلے شامل ہو کر شمشیر بکف خانہ رسولؐ کو گھیرے ہوتے تھے علیؑ بستر رسولؐ پر پیغمبر کی چادر اوڑھے ہوئے۔ نفس رسالت کی شان دکھاتے ہوے تلواروں کی چھاؤں میں محو خواب تھے اور اس اطمینان قلب سے آرام فرما رہے تھے جیسے کوئی بات ہی نہیں ہو رہی تھی۔ مختصراً۔ جان سی پیاری شے کو صرف بھائی کی جان بچانے کے خاطر بھائی پر قربان کر دینا کوئی معمولی بات نہ تھی۔ کیا دنیا کوئی ایسا جاں نثار وفادار بھائی کو بتلا سکتی ہے جو اپنی جان صرف بھائی کے عوض میں ا۔ بھائی بھی حقیقی نہیں بلکہ چچا زاد ہو خطرے میں ڈالنے پر تیار ہو۔ اس بات پر صرف اسلام ہی فخر کر سکتا ہے اور یہ خصوصیت صرف خاندان رسالت ہی کیلئے مخصوص ہے۔

دوسرا بھائی۔ ابوالفضل العباس (فدا ہوں ہماری جانیں اس نام پر)

حضرت علیؑ کے فرزند سعید حضرت ام البنین کے بطن اطہر سے تھے۔ جس طرح امیرالمومنین کی پرورش سایۂ رسالت میں ہوئی اسی طرح عباس کی پرورش بھی حسینؑ ابن علیؑ کے ہاتھوں سے ہوئی۔ عباس کے فرق اقدس پر مرتے دم تک سایہ امامت رہا۔ وقت رحلت حضرت علیؑ نے اپنی سب اولادوں کو حضرت امام حسینؑ کے سپرد فرمایا۔ حضرت عباس کو صرف امام حسینؑ علیہ السلام کے آغوش عاطفت میں دیدیا۔ حسینؑ نے بھی عباس کو اپنے فرزندوں کی طرح پالا پوسا عباس بھی آقائے نامدار کا اپنے کو بھائی نہیں بلکہ غلام تصور فرمایا کرتے تھے۔ درحقیقت عباس نے حسینؑ کی ایسی فرمانبرداری کی کہ غلام بھی اپنے آقا کی ایسی اطاعت نہیں کر سکتا۔ عباس بچپنے سے مصر کہ کربلا کیلئے تیار ہو رہے تھے اور میدان کربلا میں ایسا کچھ کر دکھایا کہ دنیا آجتک انگشت بدنداں ہے میدان کارزار گرم ہونے والا ہے۔ حسینؑ کیلئے راہ چارہ مسدود ہو گئی ہے بس دو ہی صورتیں باقی رہ گئی ہیں (۱) بیعت (۲) یا قتل۔ فرزند رسول اللہ صلعم

امام حسینؑ سے بیعت فاسق ہو نہیں سکتی تھی۔ قتل ہونے پر آمادہ ہوگئے، بادشاہ کربلا نے بھی اپنی مختصر سی فوج کو ترتیب فرمایا۔ عہدہ علمداری اپنے قوت بازو کو سپرد فرمایا لڑائی شروع ہوگئی بازار موت گرم ہوگیا۔ عباس کبھی خیمۂ اہلبیتِ طاہرین کا طلایہ دیتے تھے کبھی زینب و کلثوم کو تسلیاں دیتے تھے اور کبھی میدان جنگ سے شہیدوں کی لاشہائے پارہ پارہ خیمہ میں اٹھا اٹھا کر لاتے تھے۔ عجب بےکسی کا عالم تھا۔ اہلبیت رسولؐ کو عباس جری کے دم سے بڑی تقویت تھی زینب عالیۂ کو حضرت ام کلثومؑ بہت، دل شکستہ مغموم تھیں۔ کوئی ہدیہ نہیں رکھتیں جو بارگاہ میں امامت پیش کر سکیں۔ عباس نے قدموں پر سر رکھ دیا فرمایا۔ بہن غلام نو حاضر ہے شمع امامت پر قربان فرما دیجئے۔ اللہ رے وفاداری۔

جب سب اصحاب امام اور فرزندان رسولؐ اپنی جانیں وصی مصطفےٰؐ پر نچھاور کر چکے۔ عباس بھی اپنے چھوٹے بھائیوں کو دم توڑتا دیکھ چکے تو خود مرنے پر کمر کس کر خدمت امامؑ میں حاضر ہو کر دست بستہ اذن جنگ طلب فرمایا۔ حسینؑ نے عجب حسرت بھری نظر سے سر سے پا تک علمدار جری کو دیکھ کر ایک آہ سرد دل پُر درد سے کھینچی۔ فرمایا۔ عباس تم تو یادگار پدر اور قوت بازو ہو۔ تمھارے دم سے میری زندگی ہے۔ آہ کس دل سے تمھیں مرنے کی اجازت دوں۔ عباس نے بچشم پُرنم فرمایا۔ آقا مجھے شرمندہ نہ فرمائیے۔ شوق شہادت سے دل مضطرب ہے۔ ننھے ننھے بچوں کی شور العطش نے میرے دل کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا ہے۔ ایسی زندگی پر خاک۔ الغرض اجازت لیکر شیر بیشۂ حیدری جنگ کی نیت سے نہیں ملکہ پانی لانے کی غرض سے وارد میدان کارزار ہوا اور تشنہ لب مجاہد نے ایسی قیامت خیز جنگ کی کہ دنیا تا قیامت بھولا نہ سکے گی۔ نگہبانان دریائے فرات کو قتل کرتا ہوا۔ نہر فرات میں گھوڑا تا بہ کمر ڈالدیا۔...................................

....

....

....

.... اللہ رے پاس ہمدردی۔ اب نہر فرات کا سرد و شیریں پانی عباس کے قبضہ قدرت میں تھا چاہتے تو تین دن کی پیاس بجھا لیتے مگر پانی کا پینا کیسا۔ عباس نے پپڑائے ہوئے ہونٹوں کو بھی تر نہ کیا۔ یہ کیوں۔ صرف عباس کی غیرت اور وفا نے گوارا نہ کیا۔ خود سیراب ہو جائیں اور حسینؑ کے ننھے ننھے بچے شدت تشنگی سے تڑپا کریں۔ کیا کہنا ترا اے عباس جری مشکیزہ پانی سے بھر کر نہر سے خود پیاسے نکل آئے۔ فوج شام نے نرغہ میں لے لیا شانے قلم کر ڈالے گئے۔ مشکیزہ کو دانتوں سے دبا لیا۔ تلواروں پر تلواریں کھائیں زخموں سے چور چور ہوگئے مگر مشکیزہ کو بچائے رکھا۔ لیکن جب تیر سے مشکیزہ چھد گیا اور سارا پانی بہہ گیا تو عباس کی ہمت ٹوٹ گئی۔ کربلا کے میدان کارزار میں عباس ٹکڑے ٹکڑے ہو کر زین فرس سے زمین گرم پر گر پڑے وفور شوق زیارت سے بیچین ہو کر بھائی کو آواز دی۔ حسینؑ مظلوم اسنر شکستہ قتل گاہ میں تشریف لائے۔ عباس کو ایڑیاں رگڑتا ہوا پایا۔ وفادار جری نے رُخ امام کی زیارت کی۔ اور روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔ ہمیشہ کے لیے شمع وفا گل ہو کر رہ گئی۔

بیشک علیؑ نے رسولؐ کی نصرت کی۔ رسولؐ خدا کو جنگ اُحد میں اعدائے دین کے شر سے بچایا خوب خوب جنگ کی۔ مگر علیؑ تشنہ لب تھے اور نہ علیؑ کے دل پر عزیز و رفقاء کے داغ تھے۔ مگر عباس نے تین دن کی بھوک و پیاس میں اور قیامت خیز مصائب میں پڑ کر ایسی نصرت کی جس کا جواب ممکن ہی نہیں ہو سکتا اگر علیؑ کے دم سے گلزار رسالت پھولا پھلا تو عباس نے کار ہائے امامت کا تکملہ کر دیا۔ انھیں دو بھائیوں کے کارناموں کو گردش ایام صفحۂ ہستی سے مٹا نہیں سکتی۔ عباس جری ہزارہا مصائب جھیل کر دنیا سے اٹھ گئے مگر دنیا کو درس وفا دے گئے۔ اگر قوم عباس کی پیروی دل سے کرے۔ اور عباس کی طرح اپنے بھائیوں کی آڑے وقت میں کام آئے تو دنیا رشک جنت معلوم ہونے لگے۔

السلام اے قوتِ بازوئے شاہِ کربلا

رباعی

اک روز جہاں سے سب کو جانا ہوگا
دامن میں کفن کے منہ چھپانا ہوگا
پرہیز کر اعمال قبیحہ سے نثار
محشر میں خدا کو منہ دکھانا ہوگا

(نثار بوترابی)

قربان ترے عباسؑ علی کیا نام ہی تیرا کیا کہنا

(از جناب سید لائق علی صاحب ہنرؔ)

عباسؑ دلاور کیا کہنا شبیرؑ کے شیدا کیا کہنا
ہے اہل وفا کے ورد زباں تیرا ہی فسانہ کیا کہنا

دریا نے قدم چومے بڑھکر سب فوج لعیں بھاگی ڈر کر
دلبند علیؑ سقائے حرم ساحل پہ وہ پہنچا کیا کہنا

یوں مشک و علم لیکر پہونچا یہ اہل وفا میں شور ہوا
ہیبت سے تری لرزاں ہے زمیں اک حشر ہے برپا کیا کہنا

دریا پہ گیا مشکیزہ بھرا پانی نہ پیا پیاسا ہی رہا
یہ شان وفا یہ صبر و رضا یہ کام تھا تیرا کیا کہنا

اے دین و وفا اے جان دنیا پڑھتی ہے وفا کلمہ تیرا
تا حشر رہے گا دنیا میں تیرا ہی فسانا کیا کہنا

ہر فعل ترا ہر قول ترا ہر ایک عمل تیرا واللہ
حق بات تو یہ ہے قرآں کی تفسیر گویا کیا کہنا

روضہ کی ترے ساحل پہ تپاک کرتی ہے اشارہ یہ ابتک
دریا ہے ترے دریا نوں میں اے مالک دریا کیا کہنا

بہتا ہوا پانی ہے جب تک پانی میں روانی ہے جب تک
ہر موج کہے گی لہرا کر تیرا ہی فسانا کیا کہنا

وہ دل کی تپش وہ ٹھنڈی ہوا خیمے کی زیادہ بہتا دریا
حسرت سے نظر کی پانی پر یاد آئی سکینہؑ کیا کہنا

جس وقت ہوئے شانے بھی قلم مشکیزہ چھدا آنسو ہیں بہم
کہتی ہے وفا یہ حسن وفا اے عاشق مولا کیا کہنا

جب نام زباں پر آتا ہے خوں جوش [illegible] کھاتا ہے
قربان ترے عباسؑ علی کیا نام ہے تیرا کیا کہنا

کہتے ہیں ہنرؔ یہ اہل زباں [illegible] کو یا موج رواں
اس بحر میں یہ عنوان بیاں اک [illegible] نقشا کیا کہنا

سلام

(از جناب امینؔ صاحب)

کلام اہل سخن کو سنائے جاتے ہیں
سخن کی داد سخنداں سے پائے جاتے ہیں

زمین کربلا رفعت کا تیری کیا کہنا!
جہاں کی خاک پہ گوہر لٹائے جاتے ہیں

ملا نہ آٹھ پہر جن کو ایک قطرۂ آب
وہی تو خانۂ زیں سے گرائے جاتے ہیں

بلا کے بن سے عداوت کی آندھیاں اٹھکر
چراغ آل محمدؐ بجھائے جاتے ہیں

جو خاص ہوتے ہیں بندے خدا کے مثل خلیلؑ
ہر ایک طرح سے وہ آزمائے جاتے ہیں

کیا ہے بند لعینوں نے شاہ پر پانی
لب فرات سے خیمے اٹھائے جاتے ہیں

ہوئے ہیں پیاس سے بیتاب شاہ کے اطفال
لبوں پہ خشک زبانیں پھرائے جاتے ہیں

حسینؑ کا سر اطہر ہے نوک نیزہ پر
جہاں سے آیۂ قرآں سنائے جاتے ہیں

طویل کرب و بلا کی ہے داستان امینؔ
کوئی سنے نہ سنے ہم سنائے جاتے ہیں

عباسؑ کا علم ہے قومی نشاں ہمارا

(از جناب مولانا سید محمد اطہر صاحب کاشف جہادی)

حسینی شاعر جناب فضل کو فن شاعری میں عموماً اور مدح اہلبیت میں خصوصیت سے ایسی فضیلت حاصل ہے کہ ہر کہ مہ سے خراج تحسین سالانہ کیا بلکہ روزانہ وصول ہوتا رہتا ہے۔ میں نے جس مصرعہ کو عنوان قرار دیا ہے یہ بھی موصوف کے مشہور شعر کا آخری مصرعہ ہے بلکہ نظارہ میں سرنامہ پر جلی حرفوں میں لکھا ہوا ہر ہفتہ چھپتا ہے سرسری طور سے شعر کی جاذبیت تو دل کو کھینچتی ہی رہتی ہے مگر گہری نظر سے شعر کا مطالعہ کرنے والوں کو جو کیف حاصل ہوتا ہے وہ کچھ اور ہی ہے شعر کے محاسن صوری بھی اسقدر بلند ہیں کہ سلک گوہر شہوار کہیئے یا جبین فلک پر ستاروں کی افشاں سے تشبیہ دیجئے شعر کی سلاست و الفاظ کی باہم بندش روانی و مناسبت کی جو خوبیاں پیدا ہو گئی ہیں ان کی امیدوار کوئی تشبیہ نہیں ہو سکتی ہے کیونکہ شعر کے محاسن صوری انتہائی مرتبہ کمال پر ہے جس شعر کے آسمان فصاحت کی بلندی تک پہونچنے کے لئے تصورات کے پر جلتے ہیں ان کی بلاغت کی رفعتوں تک کون پہونچ سکتا ہے۔ اوجی اوجی کا پردہ رُخ روشن آموز بلاغت کو بے نقاب نہ ہونے دے گا مجملاً جو کچھ بھی سمجھ میں آسکنے کے قابل ہے وہ بس اسی قدر ہے کہ تاجدار اقلیم وفا حضرت عباسؑ شہید راہ خدا کی شہادت کے بعد سے ہماری قوم بے سپہ سالار کے ہو گئی ہے۔ ہمارا قومی نشان بس اب یہی ہے کہ ہم اس حسین علمدار کے نشان کی شبیہ و یادگار ہیں علم کے نیچے جمع ہوا کریں اور سرو پا برہنہ اس علم کو وقتاً فوقتاً اور مخصوص تاریخوں میں اٹھایا کریں تاکہ ہم کو یاد رہے کہ ہم اس سپہ سالار کی فوج میں ہیں جس نے کم سے کم چار ہزار کمانداروں پر تن تنہا ایک نیزہ سے ایسا بے پناہ حملہ کیا کہ ایک ہی حملہ میں اس شبیر بیشۂ حیدر کے سامنے سے وہ سب روباہ صفت بھاگ نکلے تین دن کے پیاسے شیر نے نہر کی ٹھنڈی ہوا کھائی مشک سکینہ میں پانی بھرا چلو میں پانی لیا مگر یہ کہکر پھینک دیا کہ عباسؑ کی وفا سے زیبا ہے کہ حسینؑ اور ان کے بچے پیاسے رہیں اور وہ خود پانی پئیں نہر سے نکلے گھوڑے پر سوار ہوئے بھاگے ہوئے ہزاروں نے چاروں طرف گھیر لیا اور چھپ کر آئے اور دونوں شانے قلم کئے بہادر نے علم حسینی کو گرنے نہ دیا اور مشک سکینہ کے تسمہ کو دانتوں سے دبایا مگر تیر ظلم نے مشک چھیدی پانی بہا اور گرز گراں نے گھوڑے پر سنبھلنے نہ دیا بھائی کو آواز دی اے بھائی بھائی کی خبر لیجے حسین بھائی کی لاش پر پہونچے کچھ دیر نہ گزری تھی کہ عباسؑ نے دم توڑا یا پیکر وفا سے روح نے مفارقت کی حسینؑ نے تڑپ کر فرمایا عباسؑ کے مرنے سے میری کمر ٹوٹ گئی اس واقعہ کے بعد سے پھر کبھی علم آل رسول بلند نہیں کیا گیا یا اگر بلند ہوا ہے تو بس اس صورت میں کہ عباسؑ کے علم کی شبیہ بنا کر اٹھائی گئی اور ماتم کیا گیا اور یہ رسم علم و ماتم ہمارے قومی نشان کی حیثیت سے ہے کوئی شیعہ کسی جھنڈے کے نیچے آکر یہ نہیں کہہ سکتا ہے کہ یہ ہمارا قومی نشان ہے البتہ علمدار حسینی کے علم کی شبیہ کو اٹھاکر یہ دعویٰ کرنے کا حق رکھتا ہے کہ یہ ہمارا قومی نشان ہے۔ اللہ اکبر علم عباسؑ کی رفعت و عظمت ایک علم کی کتنی شبیہیں بنتی ہیں اور ایک مرتبہ بمجبوری علمدار کے ساتھ زمین پر گرا تو خدا نے ہر جگہ اور ہر سال اور سر برہنہ اور ہر ہفتہ اس علم کو بلند فرما دیا ابھی تو ہم شبیہ علم اٹھاتے ہیں اور اپنے سپہ سالار کا ماتم کرتے ہیں اور یہی ہمارا قومی نشان ہے انشاء اللہ ایک دن وہ بھی آئے گا کہ امام حسینؑ رجعت فرمائیں گے اور حامل حقیقی ابوالفضل العباسؑ علم لئے ہوئے ساتھ ساتھ ہوں گے اور تمام شیعہ علم کے پھریرے کے سائے میں ہوں گے ابھی یائے ضیا حسینا اور واعباسا کے نعرے ہیں اس وقت یالثارات الحسین کی آوازوں کی گونج ہوگی۔

حق کی روشنی

(از جناب ڈاکٹر سید منظور مہدی صاحب منظورؔ)

شبیرؑ ہیں گلزارِ حقیقت کے گُلِ تر — ایماں کا مشام انکی ہے خوشبو سے معطر
یہ روشنیٔ حق ہیں، ہدایت ہیں سراسر — تم رکھو قدم انکے ہر اک نقشِ قدم پر
پھر نصرتِ حق رفعتِ اسلام ملے گی
پھر فتح و ظفر تم کو ہر اک گام ملے گی

وہ کون جو اُمت کی شفاعت کا سہارا — زہراؑ و علیؑ اور محمدؐ کا دُلارا
جس نے کہ خدا کے لئے گھر بار کو وارا — تم اسکی ہی تقلید کرو لوگو خدارا
پھر نصرتِ حق رفعتِ اسلام ملے گی
پھر فتح و ظفر تم کو ہر اک گام ملے گی

شبیرؑ جو دنیا میں تھا شاہنشہِ ایماں — جس ثانیٔ ایوبؑ کا ہر قول تھا قرآں
جس نے کیا ایماں کیلئے موت کو آساں — کچھ اس سے سبق سیکھ لے اے سیرتِ انساں
پھر نصرتِ حق رفعتِ اسلام ملے گی
پھر فتح و ظفر تم کو ہر اک گام ملے گی

فی الحال میں کچھ اسوۂ شبیرؑ دکھا دو — خالق کے لئے اپنا زر و مال لٹا دو
اے مومنو! دنیا سے شر و کفر مٹا دو — کام آئے اگر جاں تو اسکو بھی لگا دو
پھر نصرتِ حق رفعتِ اسلام ملے گی
پھر فتح و ظفر تم کو ہر اک گام ملے گی

تکبیر کا نعرہ تہِ خنجر بھی سُنا دو — سر جلتی ہوئی ریت پہ سجدہ میں جھکا دو
جو حقِ عبادت ہے زمانہ کو دکھا دو — سوتے ہوئے اسلام کو غفلت سے جگا دو
پھر نصرتِ حق رفعتِ اسلام ملے گی
پھر فتح و ظفر تم کو ہر اک گام ملے گی

دُنیا کو دکھا دو کہ تم ایماں کی سپر ہو — قرآں کی اور عنصرِ قرآں کی سپر ہو
ہر وقت کے مارے ہوئے انساں کی سپر ہو — ہر بیکس و مظلوم مسلماں کی سپر ہو
پھر نصرتِ حق رفعتِ اسلام ملے گی
پھر فتح و ظفر تم کو ہر اک گام ملے گی

دنیا کی اگر فوجِ ضلالت ہو مقابل — گر فتح میں کوہ و شجر و بحر ہوں حائل
شمشیر بکف سامنے استادہ ہو قاتل — ایمان کی طاقت سے ظفر ہووے گی حاصل
پھر نصرتِ حق رفعتِ اسلام ملے گی
پھر فتح و ظفر تم کو ہر اک گام ملے گی

پھر دیکھو گے اسلام مظفر کا زمانہ — آنکھوں میں پھرے گا وہ پیمبرؐ کا زمانہ
نظروں میں سما جائے گا جعفرؑ کا زمانہ — منظورؔ نظر آئے گا حیدرؑ کا زمانہ
پھر نصرتِ حق رفعتِ اسلام ملے گی
پھر فتح و ظفر تم کو ہر اک گام ملے گی

سلام

(جناب سید سرفراز حسین صاحب رضوی خبیرؔ لکھنوی)

اسلام سے اُن کو کیا مطلب شبیرؑ پہ جو قربان نہیں
ایمان کی باتیں کیا سمجھیں جن لوگوں میں ایمان نہیں

وہ آل نبیؐ پر ظلم ہوا میدان بلا خود چیخ اُٹھا
اس جنگل میں حیوان ہیں سب انسانیت کی شان نہیں

اولاد نبیؐ پر میداں میں کیوں تیروں کی بارانی ہے
اے شام کے لوگو دیکھو تو یہ عترت ہے قرآن نہیں

عباس علیؑ ہیں محو و غا کہتے ہیں نجف سے شیر خدا
یہ کرب و بلا کا صحرا ہے کچھ خیبر کا میدان نہیں

ہنگام رضا اکبرؑ نے کہا۔ دولھا جو بنایا لیلیٰ نے
مرنے کی تمنا ہے دل میں اب اور کوئی ارمان نہیں

کھائی ہے سناں مرتا ہے جواں شبیرؑ سرہانے بیٹھے ہیں
فرزند ہے طالب پانی کا اور پانی کا امکان نہیں

اے اُمت والو ناوک سے مصحف کا نہ پارہ چاک کرو
بے شیر ہے یہ شبیرؑ کا دل معصوم ہے گر قرآن نہیں

دُنیا کو اماں دینے کیلئے لٹوا دیا گھر خود قتل ہوئے
احسان حسینی سے خالی عالم میں کوئی انسان نہیں

جلتی ہیں قناتیں [illegible] اہل حرم میں حشر بپا
درّانہ چلے آتے ہیں عدو ڈیوڑھی پہ کوئی دربان نہیں

اعدا سے حرم یہ کہتے تھے تم کیسے محبت والے ہو
مظلوم تو ہیں سادات تو ہیں اچھا ہم اگر مہمان نہیں

بندی میں چلے میداں سے حرم کشتوں پہ کیا سب نے ماتم
بے گور نبیؐ کے پیارے ہیں اور دفن کا کچھ سامان نہیں

بانو جو مدینے میں آئیں صغرا نے کہا یہ رو رو کر
دامن ہے وہی گودی ہے وہی گودی میں مگر نادان نہیں

تعلیم حسینی زندہ باد اذکار حسینی پائندہ
دُنیا میں خبیرؔ بے دل کا اور اسکے سوا اعلان نہیں

شیر خوار مجاہد

(از جناب رضا انصاری صاحب دھلی)

حقانیت کے نام پہ مٹ جانے آئے ہیں — باطل پرستیوں پہ فتح پانے آئے ہیں
اس کمسنی میں ظلم سے ٹکرانے آئے ہیں — معصومیت سے کفر کو ڈھانے آئے ہیں
تاثیر ماں کے دودھ کی دکھلانے آئے ہیں

ہاں جانتے ہیں آنچ صداقت پہ آئی ہے — غربت کی منزلوں میں رفیق آزمائی ہے
بچپن کے ساتھ کھیلنے کو موت بھائی ہے — ننھے سے سن میں کیسی جوانمردی پائی ہے
اپنی خوشی سے تیر ستم کھانے آئے ہیں

یہ بن یہ رزمگاہ یہ ساماں لئے ہوئے — دل میں شہید ہونے کے ارماں لئے ہوئے
انسانیت کے درد کا درماں لئے ہوئے — طفلی کے دل میں عزم جواں لئے ہوئے
نصرت کی صف میں جوش سے بڑھ جانے آئے ہیں

آئے ہیں انہماک سے قربان گاہ میں — کمسن ہیں بے زباں ہیں حسینی سپاہ میں
حسرت ہے ہوں شریک فدایان شاہ میں — کیا جانے کس کی بیکسی چھائی نگاہ میں
مظلومیت حسینؑ کی دکھلانے آئے ہیں

گو تین شب و روز سے پایا نہیں پانی — رُک جائے کھل جائیں تو دریا کی روانی
منظور ہے کہ نام پہ ہے تشنہ دہانی — آئے گی رضاؔ یاد یہ پُر درد کہانی
تشنہ لبی میں تیر ستم کھانے آئے ہیں



جناب عباس علی صاحب جمال



جناب سیٹھ رجب علی صاحب



جناب سیٹھ محمد علی جعفر علی صاحب

جناب سیٹھ یوسف علی حاجی رحمت اللہ صاحب



جناب سیٹھ سلطان علی رحمت اللہ صاحب



جناب سیٹھ یوسف علی رحمت اللہ صاحب



ہمدرد قوم جناب سیٹھ دولت محمد صاحب مرحوم



جناب سیٹھ محمد علی حاجی رحمت اللہ صاحب



جناب سیٹھ اصغر علی حاجی رحمت اللہ صاحب



جناب یاور حسین صاحب یاور



جناب سیٹھ محمد علی صاحب ڈیرہ دون

تو نے بھی انتہا کی، ہم نے بھی حد ہی کر دی

(از جناب فلکؔ امروہوی)

سیّدؑ نے کربلا کی تشنہ لبی جو دیکھی
اپنا لہو بہا کر بچھو لوں سے گود بھر دی

بے چادری پہ تیری اے سیّدہ کی بیٹی
بادل سے منہ کو ڈھانپے روتا ہے آسماں بھی

یا ابرِ سینہ کو بانِ شبیرؑ کے الم میں
یا قدسیوں کے نالے آواز ہے گرج کی

جب ذوالفقار والا اے برق! گر رہا تھا
غارت گرِ زمانہ اس روز کیوں نہ چمکی

پیاسا تھا تین دن کا جب کربلائی لشکر
اے ابر! جب نہ رویا! اے برق! جب نہ تڑپی!

اٹھی سیاہ آندھی یکلخت کربلا میں
جب سُرخ ہو چکی تھی ساری زمین رن کی

کیوں شعلہ ہائے آتش! یہ گھر ہی رہ گیا تھا
کیا تھا جو شامیوں کے خیموں کو آگ لگتی

اکبرؑ کی یہ جوانی! مرنے کی آرزوئیں!
اف شہد سے بھی میٹھی! اور موت کی سی تلخی!

ہاں وقتِ نامساعد! کس سے مقابلہ تھا
تو نے بھی انتہا کی، ہم نے بھی حد ہی کر دی

شبیرؑ کی سخاوت بے تھاہ ہے نہ پوچھو
رسی دراز کر کے دیکھو فلکؔ ہوس کی

یہ رنگیں قبائیں خدا راس لائے

(از جناب فلکؔ امروہوی)

فلکؔ نے فقط چند آنسو گرائے
زمیں نے غمِ شہ میں دریا بہائے

حسینی ثباتِ قدم، اللہ! اللہ!
جہاں گھر لٹائے وہیں گھر بنائے

لبِ نہر پیاسوں نے پانی سے اونچے
برنگِ دگر اور دریا بہائے

ہوئے کل تو شبیرؑ کے جان لیوا
اب اپنا رہے ہیں سب اپنے پرائے

نبیؐ کا نواسہ بھلا سن سکا تھا
غریبوں، یتیموں، اسیروں کی ہائے

مگر ایک شبیرؑ نے کل جہاں کے
مصائب، جہاں کو اٹھا کر دکھائے

چلے ہو دوگانے کو اے شاہزادو!
یہ رنگیں قبائیں خدا راس لائے

ق

مبادا فلکؔ سہم جائے لحد میں
مجھے دیکھتے ہی علیؑ مسکرائے

مظلوم کے بیکس کے عزادار تمھیں ہو

(از شاعر سرکار حسینی جناب عترت ہلوری)

نازی ہو بہادر ہو وفادار تمھیں ہو / حریت عالم کے طلبگار تمھیں ہو
لاسئلکم زینت قرآن میں ہے / اس جنس محبت کے خریدار تمھیں ہو
ہمت ہے تو لو کروٹیں دنیائے وفا میں / دار فتہ عباسؑ علمدار تمھیں ہو
سر دیدیا پر طوق غلامی نہیں پہنا / مظلوم کے بیکس کے عزادار تمھیں ہو
تاریخوں میں دیکھو تو بزرگوں کے فسانے / میدان میں چلتی ہوئی تلوار تمھیں ہو
سر جس نے اٹھایا اسے نیچا ہی دکھایا / اس صفحۂ گیتی پہ نمودار تمھیں ہو
پھر ہاتھ کی زینت ہو قلمدان وزارت / دکھلا دو زمانے کو کہ حقدار تمھیں ہو
ہے شرط وفا آنچ نہ اسلام پر آئے / ہاں ملت بیضا کے مددگار تمھیں ہو
تاثیر دکھا دو کوئی اسلاف کے خون کی / ہر قوم پکار اٹھے کہ بیدار تمھیں ہو
ہو پھول حقیقت میں گلستان شرف کے / عالم کی نگاہوں میں مگر خار تمھیں ہو
کیا کہہ گئے اے شاعر سرکار حسینی / عترت یہ خبر کیا تھی گہربار تمھیں ہو

سلام

از جناب سید علی اطہر صاحب مرغوب نقوی

شبیرؑ کی ہمت پہ رضا لوٹ رہی تھی / خوشنودیٔ رب دوسرا لوٹ رہی تھی
بوئے گلِ زہراؑ سے بسی باغ ارم میں / نہ کھول کے غنچوں کے صبا لوٹ رہی تھی
دنیا کی طلب اٹھ نہ سکی خاک میں مل کر / زیرِ قدم آلِ عبا لوٹ رہی تھی
عباسؑ کی مقتل میں بڑھی دیکھ وفائیں / سرگرمیٔ امکانِ وفا لوٹ رہی تھی
قاسمؑ کو میسر نہ ہوئی روزِ عروسی / محرومیٔ قسمت پہ حنا لوٹ رہی تھی
کہہ دیجئے کہتی تھی عدو سب ابھی جل جائیں / شبیرؑ کے قدموں پہ دعا لوٹ رہی تھی
اجڑا چمن فاطمہؑ جب دشتِ بلا میں / مل کر کفِ افسوس قضا لوٹ رہی تھی
معصوم کو جس دم ہدفِ تیر بنایا / نہ دیکھ کے قاتل کا جفا لوٹ رہی تھی
یوں مقتلِ سرور کو چلیں خواہرِ حضرت / سر پیٹتی جاتی تھیں ردا لوٹ رہی تھی
دربار میں لاکر سرِ سرور جو رکھا تھا / قاتل کے قریں طشت طلا لوٹ رہی تھی
مرغوب تنِ سرورِ عالی پہ سکینہؑ / بیتاب تھی مصروفِ بکا لوٹ رہی تھی

سقائے سکینہ حضرت ابو الفضل العباسؑ

(از جناب مولانا سید محمد محسن صاحب نبیرہ سرکار نجم الملت (اعلی اللہ مقامہ)

ہر صاحب فہم و ادراک ہر عقلمند و ذی شعور اور ہر وہ شخص جس کو مذہبیات سے ذرہ برابر بھی لگاؤ ہے وہ یہ جانتا ہے کہ اسلام بھی ایک عالمگیر مذہب ہے اُس کے اصول و قوانین اور اُس کے احکام کا احترام بھی کروروں انسان کرتے ہیں دُنیا کی بے شمار آبادی ایسی بھی ہے جو اسلام کی پیش کردہ شریعت پر عامل نظر آئے گی اب یہ اور بات ہے کہ عمل کے طریقہ الگ الگ ہوں نظریات مختلف پائے جائیں لیکن اصل مطمح نظر سب کا ایک ہی نظر آئے گا یعنی ہر دین اسلام پر چلنے والا خدا کو ایک اور رسول کو نبی برحق اور اُن کے پاس آئی ہوئی کتاب قرآن مجید کو کتاب الٰہی مانتا ہے رہا فروعی اختلاف تو وہ تو اپنی اپنی وسعت نظر اور ذاتی تحقیقات کی وجہ سے ہوتا ہے ہر مذہب و ملت میں جس طرح پایا جاتا ہے اُسی طرح اسلام میں بھی ملے گا۔ ہر مسلک اختیار کرنے والا کہتا ہے کہ ہم حق پر ہیں اب اس کا ثبوت کہ کون حق پر ہے اور کون باطل پر تو یہ اُس کے دلائل و شواہد عقلیہ و نقلیہ پر مبنی ہوتا ہے اگر غور سے دیکھا جائے تو اسلام میں جسقدر فرقے ہیں اُن میں کوئی نہ کوئی حق پر ضرور ہوگا اب اس کے لئے یہ ضروری ہے کہ کس کے دلائل میزان عقل پر صحیح اُترتے ہوں۔ اس امر میں کھرے کھوٹے کی پہچان اگر کرنا ہو تو تھوڑی سی دیر کے لئے تعصب سے کنارہ کشی اختیار کرکے اگر دیکھا جائے تو صحیح حل تک پہنچنے میں کچھ بھی دشواری نہ ہوگی اب آپ تمام اسلامی کتب کا مطالعہ فرمائیے عام اس سے کہ وہ عقلیات پر مشتمل ہوں یا نقلیات پر احادیث کی ہوں یا شریعت محمدی کے احکام کی تاریخ کی ہوں یا اور دیگر اُمور کے سلسلے میں ہر ایک میں فرقہ شیعہ راہ اعتدال پر گامزن اور حقائق اسلام پر عمل پیرا نظر آئے گا یہی وہ فرقہ ہے جس میں سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اصول و فروع اسلام کو مانتے ہوئے رسول کے بعد اہلبیت رسولؐ کی ایسی ہی عزت کی جیسی کہ خود آنحضرتؐ چاہتے تھے اہلبیت رسول کی محبت حقیقی کا شرف و فخر صرف شیعوں کو ہی حاصل ہے یہی وہ جماعت ہے جس نے پیغمبر اسلام کے مظلوم و بیکس نواسے حسینؑ غریب کے پیغام حق پر اُس وقت لبیک کہی جبکہ یزیدی فتنہ کی تیز و تند آندھیاں شجر اسلام کو جڑ سے اکھاڑ دینے کے لئے تیار تھیں کیا کہنا اُن باکمال اور حق پرست حسینؑ کے جاں نثار شیعوں کا جنھوں نے اپنے آقا کی اجازت حاصل ہونے کے بعد بھی اُن کا ساتھ چھوڑنا گوارہ نہ کیا اور تین دن کی بھوک و پیاس کے عالم میں قتل ہو جانا گوارہ کرلیا جبتک کہ انصار میں سے ایک بھی باقی رہا اُس وقت تک بنی ہاشم کو میدان جنگ میں جانے سے روکا اور یہ چاہا کہ ہم فنا ہو جائیں مگر خوانوادۂ نبوی کے تمام چشم و چراغ حسینی سایہ عاطفت میں رہ کر اسلام کو چار چاند لگائیں لیکن افسوس اُن کے سچے دل کی یہ تمنا پوری ہوئی آخرکار وہ وقت آہی گیا کہ کربلا کی تپتی ہوئی زمین پر یزیدی فتنہ کی شمشیر گراں اسلام کو فنا کرنے کے لئے بنی ہاشم کے پاک و مقدس خون کو بے دریغ بہانے پر تیار ہو گئی۔ ہمیں اس وقت آپ کے سامنے بنی ہاشم کے تمام افراد کا تذکرہ کرنا مقصود نہیں ہمیں تو صرف یہ دکھانا ہے کہ علی ابن ابیطالبؑ کا چھوٹا فرزند حسین ابن علی کی قوت بازو و علمبردار فوج حسینی جس کا شجاعت و بے جگری میں نظیر نہ تھا بڑے بڑے شجاعان عرب کی اُن کے مقابلے میں کوئی حقیقت نہ تھی جو اس اہم خصوصیت کے باوجود بھی اپنے بزرگ اور چہیتے بھائی کی اطاعت اس طرح کرتے تھے کہ وفاداری کا لقب حاصل کرلیا اب میں آپ کے سامنے وفا حضرت عباسؑ کی ہلکی سی جھلک پیش کرتا ہوں ناظرین بخوبی واقف ہیں کہ علمدار حسینی کو بارگاہ امامؑ سے جنگ کرنے کی اجازت نہ تھی اب ایسے پرہیبت و سخت ترین وقت میں اسلام کا سچا حامی کس طرح صبر کرلے ادھر تو ولولہ شجاعت اس پر مجبور کر رہا تھا کہ حمایت اسلام میں اس طرح جنگ کی جائے کہ دشمن کو شکست ہو اور اُدھر امام کی جنگ سے ممانعت اُٹھنے نہ دیتی تھی اسی کشمکش خیال میں تھے کہ دفعتاً حضرت قاسمؑ چشم و چراغ امام حسنؑ کی خبر شہادت خیمہ اقدس میں پہونچی ابھی امام کو یہ غور کرنے کا موقع بھی نہ ملا تھا کہ اب بارگاہ ایزدی میں کونسا ہدیہ پیش کروں دفعتاً جناب سکینہؑ کی اس دردناک آواز نے کہ چچا جان جس طرح بھی ممکن ہو پانی کی کوئی سبیل کیجئے پیاس ہلاک کئے دیتی ہے قمر بنی ہاشم کے دل کو ہلا دیا اور فوراً پانی لانے کے لئے تیار کردیا اب امامؑ کے لئے کوئی صورت روکنے کی نہ تھی لیجئے عباسؑ کو جنگ کا موقع مل گیا۔ مگر شان کیا ہے؟ ایک ہاتھ میں علم فوج ہے اور ایک گرز ہمراہ ہے نہر فرات کا رُخ ہے سوکھا ہوا مشکیزہ دوش پر ہے رجز پڑھتے جاتے ہیں اور حملہ کرتے جاتے ہیں سلاح جنگ نہ ہونے کے بعد بھی ہیبت کا یہ عالم ہے کہ فوج مخالف میں آپ کے حملہ سے بڑے بڑے بہادروں کے چھکے چھوٹ گئے پیاسے تنگ کر فرات میں گھوڑا ڈال کر پانی مشکیزہ میں بھرا اور اپنی چہیتی بھتیجی تک پانی پہونچانے کے لئے چلے مگر پیچ بنا یہ کہ وہ جری کیا کرے کہ جسے جنگ کی اجازت حاصل نہ ہو سلاح جنگ سے آراستہ نہ ہو ایک دوش پر مشکیزہ ہو اور ایک طرف علم لشکر کی حفاظت اور چاروں جانب سے حملہ آور فوج ہو اور اس فوج کی جانب سے تیروں کی بوچھار ہو کس طرح مشک کو بچائے اور کیونکر سکینہؑ کی بھڑکتی ہوئی پیاس کو بجھائے۔

سلام

(نتیجۂ فکر ولی محمد خان ولی سمروی)

شہادت کا بیاں سُن کر نہ ہو جسکے اثر دل پر
نہیں جناس دل انکے رکھا پہلو میں ہے پتھر

شہادت پر حسین ابن علیؑ کے روتی ہے دُنیا
خدا شاہد ہے اس غم میں بہت روئے ہیں پیغمبر

شفق کا سرخ چہرہ کہہ رہا ہے داستانِ غم
اثر اس غم کا باقی ہے ابھی تک آسمانوں پر

حسینؑ ابن علیؑ پر رونے کو کہتے ہیں کیوں بدعت
غمِ فرزند میں واللہ روئے حضرتِ حیدرؑ

چلو صفین کے رستے میں دیکھو شاہِ خیبر کو
جُھکا ہے سر وہ روتے ہیں زمیں تک ہوگئی ہے تر

جو گھر میں کوئی مرتا ہے تو کیوں روتے ہو چلا کر
مگر کہتے ہو بدعت رونے کو ابن پیمبر پر

یقیں کر لو نبی کی آل کے غم میں وہ روئیں گے
جو چلتے ہیں سدا واللہ پیغمبرؐ کی سُنت پر

نبیؐ کو وہ نہ مانیں گے علیؑ کو وہ نہ جانیں گے
کہ جس کے کور دل ہیں اور پڑا پردہ ہے آنکھوں پر

وَلی دیکھو نجات آخری ہے گر تو اس میں ہے
توکل ہو خدا پر اور بھروسہ آلِ احمد پر

حُسینؑ ابن علیؑ

(از رفیق الشعرا سید علی پیرزادہ رفعت اجمیری)

نورِ عینِ فاطمہؑ لختِ دلِ حیدرؑ حسینؑ
راکبِ دوشِ پیمبرؐ۔ مالکِ کوثر حسینؑ

بر روانِ پاک بادا رحمتِ داور حسینؑ
شانِ اقدس ابن حیدرؓ سبطِ پیغمبر حسینؑ

اے بنائے لا الٰہ وے اساسِ قصرِ دیں
کاشفِ اسرارِ وحدت عاشقِ داور حسینؑ

آبروئے دینِ اقدس آرزوئے مسلمیں
مظہرِ شانِ شجاعت قوتِ حیدر حسینؑ

رونقِ خُلدِ بریں صد نازشِ روح الامیں
معدنِ صبر و سخاوت خاصۂ داور حسینؑ

قہر تو مثلِ عتابِ حیدرِ خیبر کشا
مہر تو جنبش دِہِ صد ساغرِ کوثر حسینؑ

مُظہرِ شانِ امامت مظہرِ حقانیت
موردِ فضلِ الٰہی فیضِ پیغمبر حُسینؑ

از ضریحِ پاکِ تو شد کربلا مثلِ چمن
وارثِ باغِ جناں فرزندِ پیغمبر حسینؑ

راحتِ مسکیں بخواند دائما صبح و مسا
جانِ زہراؑ قلبِ حیدرؑ سبطِ پیغمبر حسینؑ

یہ عنایتوں کی جزا ملی یہ ہدایتوں کا صلہ دیا

(جناب فاطمہ بیگم صاحبہ نسرین منشی فاضل لکھنؤ)

نیلگوں آسمان کی بلندی پر محرم کا ماہ نو طلوع ہوا اور حسین مظلوم کی مظلومی لامتناہی مصائب اور تشنگی کی یاد قلوب محبین کے ساغروں کو چھلکانے لگی۔ آپ کی عظیم الشان قربانی نئے نئے جلوہ سے چشم عالم کو خیرہ کرنے لگی اور انصاف پسندوں کے سر بارگاہ حسینی میں خم ہونے لگے۔

حسین مظلوم! آہ کون حسینؑ جس کو دشت ماریہ میں "مظلوم اور بیکس" کے خطابات ملے۔ وہ حسینؑ جس کے ساتھ اسلام کا مصلح اعظم مسلمانوں کا روحانی رہنما بمقام غدیر اپنے لیے الست اولیٰ بکم من انفسکم کا اقرار لینے والا محبوب خدا "حسین منی وانا من الحسین لحمک لحمی دمک دمی" کہہ کر اپنی شدید محبت اور گرویدگی کا اظہار کر چکا ہو۔ اس کے ساتھ سامیوں نے دشت کربلا میں کیا کیا؟ کس طرح فرایض مہمانداری ادا کیے؟ اس کا ثبوت تاریخ خود دے رہی ہے رسالت مآب کو اپنے گوشۂ جگر سے اس درجہ محبت تھی کہ ان کو چھاتی سے لگا کر خوب چومتے اور فرماتے پروردگار میں اسے دوست رکھتا ہوں تو بھی اسے دوست رکھ۔ آپ طاعت ربانی میں مصروف رہتے اور حسینؑ اپنے چاہنے والے نانا کی پشت مبارک پر آجاتے۔ ایک مرتبہ لوگوں نے ان کو ہٹا دیا آنحضرت نے فرمایا ان کو چھوڑ دو میرے باپ ان پر تصدق ہوں جو مجھے پیار کرتا ہے اس کو چاہیے ان کو بھی پیار کرے (ذبح عظیم بحوالہ امام ابو حاتم نسائی علامہ دیلمی احمد ابن حنبل وغیرہ) پیارے نواسوں نے ناز برداریٔ نانا سے اونٹ بننے کی خواہش کی آپ نے وہ بھی پوری فرمادی آپ کی محبت کی یہ انتہا کہ۔ خواہ کسی حالت میں ہوں آپ کو ان کی خواہش منظور۔ یہاں تک کہ نماز میں بھی اُن کی دلشکنی گوارہ نہ تھی۔ کوئی خواہش نہ تھی جو مہر گستر نانا نے پوری نہ کی ہو کوئی وقت نہ تھا کہ آپ نے بچوں کی خوشنودی و دلجوئی کا خیال یہ رکھا ہو حسینؑ کی ذراسی ناسازی طبع رسولؐ اسلام کے دل کو بیقرار کرنے کے لیے کافی تھی۔ آہ! حسینؑ کی صدائے گریہ آپ کے خرمن سکون کے لیے برق تھی۔ آپ کی اپنی پارۂ جگر سے تاکید تھی کہ "فاطمہ حسینؑ کو نہ رُولایا کرو اس سے مجھے سخت تکلیف ہوتی ہے"۔ آہ کیسے ایمان والے تھے وہ لوگ جنھوں نے حسینؑ مظلوم کی محبت کو جو جزو ایمان بتلائی گئی تھی ٹھکرا دیا۔ یہ رسول کا قول اور ان کی محبت فراموش کر دی کیا جوان بھائی اور ہم شکل پیغمبر بیٹے کی مجروح لاش پر حسینؑ کے آنسو رسول اسلام کی مقدس روحانی آنکھوں نے نہ دیکھے ہونگے؟ کیا چھ مہینے کے ہم تیر ناقہ صالح تشنہ دہن مجروح بچے کو زیر زمین چھپاتے ہوئے حسینؑ کے گریۂ بے اختیار کی آواز نے نانا کی مقدس روح کو تڑپا نہ دیا ہوگا؟ کیسے مسلمان تھے وہ جنھوں نے کانوں سے سُن کر آنکھوں سے دیکھ کر بھی ایسی عظیم الشان شخصیت کا خون بہایا۔ کیا ایمان تھا ان کا جنھوں نے زر پرستی اور خوشنودی یزید کی خاطر اپنے نبیؐ کے نواسے کو جن کے ۱۰۶۱ کو رسول اللہ نے اپنے ۱۰۶۱ پر ترجیح دی۔ انھیں کو ریگ گرم پر پیاسا قتل کیا کس قدر جلد رسولؐ کی یاد بھلا دی ان کی محبت فراموش کر دی کیا استقامت فی الدین کی مثال میں ہے کہ نانا کا کلمہ پڑھ کر نواسے کا قتل ہو۔ کیا رسولؐ کی عنایتوں اور نیک ہدایتوں کا یہی صلہ تھا؟ اپنے پیغمبر کے نواسے کی اتنی بھی قدر نہیں کرسکے جو

وہ حسینؑ جن کے متعلق دنیا سے رخصت ہونے والی معصومۂ عالم نے جناب علیؑ سے یہ وصیت کی ہو کہ اگر آپ کے خلاف مزاج ان سے کوئی امر سرزد ہو جائے تو معاف کر دیجئے گا یہ بن ماں کے بچے ہیں ان کا خیال رکھئے گا کہ یتیمی کا صدمہ ان کے دلوں کو شکستہ کر دے گا۔

آہ وہی حسینؑ سنہ ۶۱ھ کی دسویں محرم کو تمام اعزا و رفقا کو راہ خدا میں نثار کرکے خونریز شامیوں کے ظلم وستم کا نشانہ بن کر مظلومیت اور صبر وشکر کا مرقع بنے ہوئے ریگ گرم پر تنہا خاموش بیٹھے تھے۔ جناب صدیقۂ طاہرہ کی روحانی آنکھوں نے جب اپنے لاڈلے فرزند کا خون (جس کو رسولؐ نے اپنا خون فرمایا) ریگ گرم پر بہتے دیکھا دیکھا ہوگا تو کیا حالت ہوئی ہوگی۔

زمانہ کا دستور ہے تاریخ بھی یہی کہتی ہے کہ ایسی ہستی جس سے عوام کی اُمیدیں وابستہ ہوں جس کے چشمۂ فیض سے امیر غریب بلا کسی صلہ ومنت کے فیضیاب ہوتے ہوں جس کو نہ دنیا سے غرض ہو اور نہ اہل دنیا سے مطلب جاہ ومنزلت کی خواہش ہو اور نہ زر ومال کی پروا جس کی مبارک زندگی کا مقصد عبادت الٰہی مشیت ربانی ہو۔ جس کے اسوۂ حسنہ اخلاق پسندیدہ اوصاف کا عکس دوسروں کے دلوں پر ضیا بار بن کر ان کی زندگی روشن کر دینا ہو بلا سبب بلا غرض کسی نے نہ ستایا آہ! بھلا کس کا دل ہوگا جو ایسے سخی جو اور رحمدل کے خون سے بانہہ رنگین کرے گا جو اپنے عصر کا سخی ترین شخص ہو جو ایک اجنبی کو گرانقدر رقم اس طرح شرمسار ہوکر غدر کرکے دیدے گویا کچھ دیا ہی نہیں وقت عبادت جاکر دوسروں کے قرض خود ادا کرکے اس کو سبکسار کرے جس کے رقیق القلبی رحمدلی کی یہ حالت ہو کہ کنیز کو صرف ایک پھول ہدیہ کرنے کے صلہ میں آزاد کر دے۔ غیروں کے غلاموں کی خواہش آزادی خود پوری کرے جس کی خاموش سخاوت کا یہ عالم ہو کہ یوم عاشور پشت مبارک پر گھٹنوں کے نشان پائے جائیں جو شب کی تاریکی میں مساکین وغربائے مدینہ کو کھانا پہنچا کر تقسیم کرنے کا ثبوت ہوں اُف خدا، کیسے پتھر کے دل تھے جو ایسے نیک طینت کرم گستر ہستی کو ستا کر خوش ہوئے جس کے لطف وکرم عجز کی یہ حالت ہو کہ کونین کا شاہزادہ نواسۂ رسول فقیروں کی دعوت اس خیال سے رد نہ کرے کہ ان کی دلشکنی ہوگی اس زائد علوئے نفس ہمدردی بشری لطف وکرم عجز کی یہ حالت ہو کہ کونین کا شاہزادہ نواسۂ رسول فقیروں کی دعوت اس خیال سے رد نہ کرے کہ ان کی دلشکنی ہوگی۔ اس سے زائد علوئے نفس ہمدردی بشری لطف وکرم سخاوت کی مثال کیا ہوگی کہ حسینؑ مظلوم اعزا رفقا کے ساتھ سفر کر رہے ہیں۔ سفر پریشانیوں سے بھرا ہوا اور گرمی شدید۔

وہ گرمیوں کے دن وپہاڑوں کی راہ سخت
پانی نہ منزلوں نہ کہیں سایۂ درخت
ڈوبے ہوئے پسینے میں سب غازیوں کے رخت
سو ملا گئے ہیں رنگ جوانان نیک بخت
راکب عبائیں چاند سے چہروں پہ ڈالے ہیں
توڑے ہوئے سمند زبانیں نکالے ہیں

ان غریب الدیار مسافروں میں ایک چھ مہینہ کا ننھا مسافرؑ بھی ہے آپ منزل شراف میں پہونچتے ہیں۔ حر کا لشکر جو آپ کو کربلا لے جانے پر مقرر ہے۔ پیاس سے نڈھال اور بیتاب نظر آتا ہے ساقی کوثر کا عالی حوصلہ فرزند انسانیت کو معصومیت میں کیسے دیکھ سکتا ہے؟ (یہ جانتے ہوئے بھی کہ کہیں میلوں پانی تو پانی سایہ تک کا پتہ نہیں اور ننھے ننھے بچوں کا ساتھ ہے) حکم دیدیا کہ پورے لشکر کو پانی پلایا جائے یہاں تک کہ کوئی جانور تک پیاسا نہ رہ جائے۔ (ناسخ التواریخ)

کیا تاریخ علوئے ہمت ہمدردی انسانی اور سخاوت کی کوئی ایسی دوسری مثال پیش کر سکتی ہے؟ لیکن انھیں ناشکرگزار محسن کش شامیوں نے اپنے محسن اور جان بچانے والے کے ساتھ کیا کیا۔؟ اور کس طرح احسان کا اعتراف کیا؟ تاریخ کے صفحات جانتے ہیں۔

ہر قسم کے نت نئے مظالم کے بعد بھی شمر کے کانوں نے مظلوم امام کی خشک زبان سے اُمت کی مغفرت ہی کی دعا سنی اور آپ یہی فرمایا کیے "یہ جو چاہیں کریں میں ان پر کوئی زیادتی نہ کروں گا کیونکہ یہ نانا کی اُمت سے ہے" آہ یہ

بے قدر تھے ظالم کہ تری قدر نہ سمجھے

مولا علیؑ نے دشمنان اسلام کو قتل کرنے کے بعد ان کی لاش کی بھی کوئی بے حرمتی نہیں کی۔ لیکن ان کے فرزند کی مجروح لاش کی جس قدر

بے حرمتی اور ہتک کی گئی وہ کس سے پوشیدہ ہے؟ ارسطو کو زہر پینا پڑا۔ حضرت عیسیٰ کو بقول نصاریٰ مصلوب کیا۔ حضرت موسیٰ نے وطن چھوڑا۔ ابراہیم کو نمرود نے آگ میں ڈالا۔ لیکن ساتویں صدی کے دعویداران تہذیب مہمان نواز عربوں نے نشر توحید کی سزا میں فخر انسانیت حسینؑ اور ان کے بچوں پر جو ظلم کیے ایسا کسی کے ساتھ نہ کیا گیا۔

زمانۂ جاہلیت میں بھی کسی کی عورتوں کو اس طرح اسیر نہیں لیا تھا۔ جس قدر رسول اسلام کے اہلحرم کے ساتھ سختی برتی گئی۔ بچہ بچہ ختم ہو گیا لیکن آتش انتقام نہ بجھی ۱۵۴۲ء میں فرانس کی مربیہ اعظم کنویا اہل شہر کی سفارش اور جان بخشی کی درخواست لے کر فرا ینک کے وحشی جنرل کے پاس گئی۔ اس نے اس عورت کی تصرف عزت کی بلکہ اس کے کہنے سے سارے شہر کو معاف کر دیا لیکن ۱۳۸۲ء کے غیور عربوں کے بھرے دربار میں رسول اسلام کی مقدس نواسی صرف اپنے بھائی کا کٹا ہوا سر مانگتی ہے نہ کسی کی سفارش ہے نہ کچھ طلب و آرزو۔ لیکن یزید اس کو بھی قبول نہیں کرتا۔ اس حق دشمنی معصیت اور انسانیت سوزی کی اس سے زائد مثال کوئی اور ہو سکتی ہے؟

اس کے بعد بھی مخالفین کی ہمیشہ یہی کوشش رہی کہ یزید کا افسانہ ظلم اور حسینؑ کی قربانیوں سے بھری ہوئی داستان مظلومی کسی طرح بھلا دی جائے۔ لیکن قدرت کی قبولیت و مشیت کو یہ منظور نہ ہوا حسینؑ کا خون ناحق ہمیشہ ابھر کر یہی کہتا رہا ؎

بیدرد مٹا کر نام وفا اعجاز حقیقت دیکھ لیا
بن جاتا ہے بڑھ کر افسانہ جو حرف مٹایا جاتا ہے

جلوۂ حق

(از جناب غلام حسین صاحب آثم کاظمی سی-پی)

شہ نے اسلام کو کیا بچایا نہیں — کیا رہِ حق میں سر کو کٹایا نہیں
کون سا ظلم تھا جو اُٹھایا نہیں — ذبح کے وقت بھی پانی پایا نہیں
شکوۂ جور پر لب پہ آیا نہیں

بھائی کے غم میں حالانکہ ٹوٹی کمر — کھو گیا ہجر اکبرؑ میں نورِ بصر
نذر پیکاں ہوا شہ کا ننھا پسر — لاش عون و محمدؑ اُٹھائی مگر
راہِ حق سے قدم کو ہٹایا نہیں

تیغ پر تیغ شبیر کھایا کئے — وار پر وار اعدا لگایا کئے
تیر پر تیر تن میں در آیا کئے — داغ پر داغ دل پر اُٹھا کئے
یادِ خالق کو لیکن بھلایا نہیں

دین احمدؐ بچانا تھا مدنظر — ورنہ قبضہ میں تھی ذوالفقار دو سر
ہوتا عالم اشارے میں زیر و زبر — دست میں زور خیبر شکن تھا مگر
ہاتھ اُمت پہ شہ نے اُٹھایا نہیں

تین دن کے پیاسے تھے شاہِ اُمم — تھی دعا لب پہ لیکن یہی دمبدم
جادۂ حق سے یارب نہ سرکے قدم — دیدیا سر پہ آثم خدا کی قسم
سر کو باطل کے آگے جھکایا نہیں

سلام

(از نتیجہ فکر جناب سید حامد حسین صاحب قار لکھنوی)

حاصل وہ جام بادۂ عرفاں نہ کر سکے
جو دل میں حبِّ آل کو پنہاں نہ کر سکے
قائم ہو گر حکومتِ سفاک بار بار
گمنام قبر شاہِ شہیداں نہ کر سکے
وہ جادۂ خلیلؑ ہو یا جادۂ مسیحؑ
طے کون راہ شاہِ شہیداں نہ کر سکے
بھولے سے بھی نہ مرد رہِ عشق علی میں آئے
جو پیروی بوذرؓ و سلمانؓ نہ کر سکے
کس نے جھکا دیا وہ سرِ پُر غرورِ عمرؔ
جا-آنکھ جس سے جملہ مسلماں نہ کر سکے
بیٹا جوان مر گیا آنکھوں کے سامنے
شہ ہاتھ مل کے رہ گئے درماں نہ کر سکے
بیچین کر گیا الم تربتِ حسینؑ
جھولے میں ضبط اصغرؑ ناداں نہ کر سکے
پڑھنے لگا جو نیزے پہ قرآں سرِ حسینؑ
جادۂ آنکھ مصحفوں سے بدا میاں نہ کر سکے
باہیں گلے میں باپ کے اصغر نے ڈال دیں
غش آ گیا تحمل پیکاں نہ کر سکے
پھر قدر کیوں کریں گے سخن سنج اے وقار
مشکل زمین کو اگر آساں نہ کر سکے

شہادت حسینؑ مسلمانوں کی حیات ابدی کا راز ہے

(جناب سید دلبر حسن صاحب مسحور بی۔ اے مرحوم سابق ایڈیٹر روزنامہ زمیندار و سرفراز کا ایک مضمون)

(حسب ذیل مضمون برائے اشاعت ایک ہمدرد قوم نے لاہور سے روانہ فرمایا ہے۔ ایڈیٹر)

اے صبا اے پیک دور افتادگاں   اشک من بر خاک پاک او رساں

ابتدائے آفرینش سے آجتک یہ عریض و بسیط دنیا سینکڑوں واقعات خونین کی آماجگاہ بنی رہی ہے اور حق و باطل کے ہزاروں معرکے ہمیشہ حوادث خونین کو اپنے دامن میں جگہ دیتے رہے ہیں۔ اگر ایک طرف باطل اپنی اکڑی ہوئی گردن اور پورے فتنہ پرور ساز و سامان کے ساتھ میدان میں نکلتا رہا ہے تو دوسری طرف حق و صداقت کا علمبردار پورے عزم اٹل ارادے اور اپنی بے سرو سامانی کے ساتھ باطل کا مقابلہ کرتا رہا ہے۔ بسا اوقات تھوڑی دیر کے لئے حق کو ظاہری طور پر شکست ہوئی ہے اور باطل اپنی شرارت خیز آنکھوں کے ساتھ اس جھوٹی کامرانی پر ہنس لیتا ہے لیکن تاریخ عالم کے خونیں اوراق اس امر کے شاہد ہیں کہ دائمی کامیابی صرف حق کو نصیب ہوتی ہے اور باطل قعر مذلت و نامرادی میں ہمیشہ ہمیشہ کی نیند سو جاتا ہے اور اس کے ارادے بحر مایوسی میں روپوش ہو جاتے ہیں جہاں حق کے علمبردار کا جاوید کارنامہ آسمان شہرت پر آفتاب بنکر چمکتا ہے وہاں باطل کی اکڑی ہوئی گردن کا کاسہ سر گڈریوں اور چرواہوں کی ٹھوکروں کا نشانہ بنتا ہے۔

کربلا کا آتشیں ہنگامہ بھی حق و باطل کا ناقابل فراموش معرکہ تھا۔ ایک طرف باطل کی بے پناہ قوت ہزاروں کی تعداد میں رسول کے نام اور مشن کو مٹانے کے ارادوں کے ساتھ کربلا کے وسیع و عریض میدان میں پرے جمائے کھڑی تھی۔ دوسری طرف رسولؐ کے اس مشن کو بلند کرنے کے لئے جس کے لئے رسولؐ پاک اور صحابۂ کرام نے مصائب و آلام کی بے پناہ قوت کا مقابلہ کیا تھا۔ بہترؑ مجاہد خیمے لگائے پڑے تھے۔ ایک طرف عمر ابن سعدؔ شمرؔ بن جوشن اور دوسرے کفار اپنے کوتل گھوڑوں چمکنے والی تلواروں اور سینوں کو چھلنی کرنے والے تیروں کے ساتھ حق کا مقابلہ کرنے کے لئے سازش کر رہے تھے تو اسی میدان میں دوسری طرف حسینؑ کے ننھے ننھے بچے پانی کی تشنگی سے مجبور ہو کر العطش العطش پکار رہے تھے ایک طرف باطل کی فوج بہترؑ جاں نثاروں کے حوصلوں کی وسعت سے بے نیاز ہو کر ارباب اقتدار کے اشارۂ چشم و ابرو کی منتظر تھی کہ ان کے بڑھتے ہوئے شوق اور نہ مٹنے والی خواہش کو تیروں۔ تلواروں۔ نیزوں اور بھالوں کی ہلاکت خیزیوں سے دبا دیا جائے لیکن دوسری طرف حسین اور آپ کے صحابہ نویں محرم کی رات کو بارگاہ رب العزت میں سر نیاز جھکائے دعا مانگ رہے تھے کہ اے پروردگار عالم کل کے معرکہ میں ہمیں استقامت اور ثبات قدمی کی توفیق عطا فرما۔

صبح عاشورہ نمودار ہوئی بدن کو کپکپا دینے والی صدائے تکبیر بلند ہوئی اور خدا کے مقدس اور برگزیدہ بندے اپنے مالک کے حضور میں سر نیاز خم کر کے کھڑے ہو گئے لیکن دوسری طرف طبل جنگ نے ہونے والے ہنگامۂ خونیں کی منادی کی باطل کی فوجیں میدان کارزار میں نکل آئیں سورج اپنی پوری تیزی کے ساتھ آتشیں تیر بکھیرنے لگا زمین تانبے کی طرح تپنے لگی دریائے فرات کا پانی اچھل اچھل کر اٹھ اٹھ کر بچوں کی تشنہ لبی کا اعلان کرنے لگا۔ جدال و قتال کا بازار گرم ہوا پہلے صحابہ حسین رنگین قبائیں پہنے شہادت کے پانی سے سیراب ہوئے صحابہ کے بعد حسینؑ کے بھتیجے۔ بھانجے بیٹے اور بھائی العطش العطش پکارتے ہوئے شہید ہو گئے حسینؑ یکہ و تنہا رہ گئے۔ نماز ظہر کا وقت پہنچ چکا تھا حسینؑ زخموں سے چور تھے لیکن جس مقصد کو لیکر وہ کربلا میں تشریف لائے تھے اسے پورا کرنا چاہتے تھے پانی نہیں تھا کہ وضو کرتے زخمی پیشانی پر خاک ملی تیمم کیا اور بارگاہ قدوس میں سجدہ ریز ہو گئے ابھی فریضۂ نماز سے فارغ نہیں ہوئے تھے کہ آپ کا سر تن سے جدا کر دیا گیا۔

واقعات شہادت کی تشریح میرا مقصود نہیں نہ میں اُن آہوں اور نالوں کا ذکر کرنا چاہتا ہوں جو خیام امام سے بلند ہو کر فضائے کرب و بلا میں بکھرنے لگے اور نہ مجھے معصوم بچوں اور مخدرات عصمت و طہارت کے ان آنسوؤں کو بیان کرنا ہے جو اپنے بھرے گھر کی تباہی پر بہائے جا رہے تھے۔ آسمان سے یہ "قتل الحسین بکربلا" کی آواز گونجی۔ باطل نے سمجھا حسینؑ اور اسکے ساتھی قتل ہو گئے اب اس کے نانا کے مشن کو مٹانے کا موقع ہاتھ آ جائے گا۔ بنو امیہ کو من مانی کارروائیاں کرنے کی پوری پوری اجازت ہو گی لیکن خدا کا دکھائی نہ دینے والا ہاتھ

مرثیہ کے چند بند

(از جناب سید محمد میرزا صاحب مہذب لکھنوی (صدر الافاضل)

(ذیل میں جناب مہذب کے ایک مقبول مرثیہ کے چند بند درج کئے جارہے ہیں، یہ مرثیہ حضرت عباسؑ کے حال میں ہے۔ (ایڈیٹر)

جناب عباسؑ ساحل سے نہر میں تشریف لے جارہے ہیں یہ بند اسی منظر سے متعلق ہے۔

تھا جو تعجیل میں شیدائے امام ابن امام — مڑ گیا پا کے اشارہ فرس نیک انجام
چلا ساحل سے جو دریا کی طرف وہ خوش گام — خضر نے فخر سے خود روک لی گھوڑے کی لگام
خاتم عشق و محبت کا نگینہ آیا
غل ہوا نہر میں پیاسوں کا سفینہ آیا

کس زباں سے ہو بیاں مدح و ثنائے عباسؑ — نہ ہٹے جادۂ حق سے کبھی پائے عباسؑ
آئینہ بن گیا تھا آب برائے عباسؑ — صاف آتی تھی نظر شکل وفائے عباسؑ
نہر میں آکے دم تشنہ دہانی نہ پیا
آگ سی دل میں لگی رہ گئی پانی نہ پیا

جناب عباسؑ دریا سے پانی بھر رہے ہیں۔

خوش ہوا دیکھ کے دریا کو علیؑ کا جایا — تشنگی بچوں کی یاد آگئی دل تھرایا
تھی نہ امید جو قسمت نے سماں دکھلایا — مشک پانی میں گئی مشک میں پانی آیا
مل گئی داد وفا غنچۂ دل کھلنے لگا
جانفشانی کا دلاور کی صلہ ملنے لگا

جناب عباسؑ نے جب مشک سکینہؑ بھر لی اور چلنے کا ارادہ کیا۔

تھی یہ عباسؑ سے گویا طلب انسانی — مشک جب بھر کے لئے جاتے ہو پی لو پانی

کام کر چکا تھا فضا کا ذرہ ذرہ پکار رہا تھا کہ مبارک ہیں وہ لوگ جو حق کی آواز کو بلند کرلے اور اپنے مقدس مقصد کی تکمیل کے لئے اپنا پاکیزہ اور مطہر خون پیش کرتے ہیں۔ باطل مسکرا رہا تھا کہ اسکے راستے سے ایک کانٹا ہٹ گیا۔ لیکن دنیا نے دیکھ لیا کہ کربلا کی زمین پر گرے ہوئے خون کے پاک قطروں نے شجر اسلام سینچ دیا اور کربلا کے شہیدوں کا جذبہ اپنی پوری بے پناہی کے ساتھ فرزندان اسلام کے رگ و ریشہ میں پھیلتا چلا گیا اور رہتی دنیا تک پرورش پاتا رہے گا۔

آج دنیا کے گوشہ گوشہ سے حسینؑ کا نام بلند ہوتا ہے حسینؑ کے شیدائی دنیا کے ہر حصہ میں پھیلے ہوئے ہیں لیکن یزید کا نام لیوا کوئی بھی نظر نہیں آتا مسلمان حسینؑ کے نقش قدم پر چلنے کو اپنے لئے ذریعہ نجات سمجھتا ہے لیکن یزیدی کہلانا بھی گالی تصور کرتا ہے اُس وقت کربلا کی سرزمین نے باطل کو کامراں دیکھا تھا۔ لیکن اب تیرہ سو سال سے چمکنے والا سورج اور چمکارے دکھلانے والے تارے حسینؑ کی کامیابی کا نظارہ کر رہے ہیں اس وقت آسمان سے صدا بلند ہوئی تھی "علی اقتل الحسینؑ بکربلا" لیکن آج صدا بلند ہوتی ہے کہ یزید قتل ہوا ہے حسینؑ زندہ ہے۔

دل سے کہتا تھا برابر یہ وفا کا بانی — صبر کر پیاس کا مارا ہے علیؑ کا جانی
کوئی آیا نہیں اس خلق میں رہنے کیلئے
حشر تک بات تو رہ جائے گی کہنے کیلئے

جناب عباسؑ جب دریا سے نکل کے ساحل پر تشریف لے آئے۔

کیوں نہ حیران ہو اس آئینہ میں عقل بشر — جس میں معمول کے برعکس وفا آئے نظر
آکے ساحل پہ لبوں کو نہ کیا پانی سے تر — پیاس کے راکب معرکہ نے دکھائے جوہر
نہر کو دھیان میں بھی اپنے نہ لایا گھوڑا
ساتھ عباسؑ کے پیاسا نکل آیا گھوڑا

حضرت عباسؑ کی ساحل پر فوج شام کو مخاطب کرکے تقریر

آکے ساحل پہ پکارا یہ علیؑ کا جانی — دیکھ لیں سب ستم و جور و جفا کے بانی
کر چکا نہر میں خود نفس کی میں قربانی — تشنہ لب بھر کے لئے جاتا ہوں ٹھنڈا پانی
دل کو آرائش دنیا سے ہٹا کے روکے
روکنا ہو جسے وہ سامنے آ کے روکے

ہیں مصیبت میں دل حیدرِ کرار کا چین — سخت تکلیف میں ہیں جان رسول الثقلین
سن لیں سب اسلئے کہتا ہوں کہ ہے فرض عین — بخدا تین شب و روز سے پیاسے ہیں حسینؑ
منہ سے کہتے نہیں کچھ صبر ہیں فرمائے ہوئے
پیاس یہ ہے کہ لب خشک ہیں پپڑائے ہوئے

ہند میں مہمان ہیں تم لوگوں کے سلطان حجاز — تم نے بند آب کیا باب جفا کر دیا باز
اتنے محتاج ہیں اللہ کے شہ سرافراز — صبح تک آج تیمم سے پڑھی حق کی نماز
انہیں درکار نہ تھا تشنہ دہانی کیلئے
بہر طاعت وہ ترستے رہے پانی کیلئے

کیا شام تھی وہ شام غریبانِ کربلا

(از شاعر آل نبی جناب نثار بوترابی، نگرم ضلع مشرقی گوداوری تلمیذ حسینی شاعر جناب فضل ... لکھنوی)

ڈوبے ہوئے ہیں خوں میں شہیدانِ کربلا — گلزار بن گیا ہے بیابانِ کربلا
وہ رن پڑا کہ ایک کی اک کو خبر نہ تھی — میدان رستخیز تھا میدانِ کربلا
لشکر نہیں سپاہ نہیں اقربا نہیں — تنہا کھڑا ہے دشت میں سلطانِ کربلا
ہر ذرہ کائنات کا آنکھوں میں [illegible] — تر ہو گیا ہے خون سے دامانِ کربلا
سوتے ہیں میٹھی نیند لٹا کر شباب کو — کیا کام کر گئے ہیں جوانانِ کربلا
سینچا ہے اپنے خون سے شبیرؑ نے اسے — سرسبز ہو گیا ہے گلستانِ کربلا

اے گرد اڑ کے پیکر عریاں کو ڈھانپ دے — بے گور و بے کفن ہے سلیمانِ کربلا
تاریک وہ فضا تھی وہ صحرائے ہولناک — کیا شام تھی وہ شام غریبانِ کربلا
اسباب سارا لٹ گیا خیمے بھی جل گئے — مٹی پہ سو رہے ہیں یتیمانِ کربلا
پہلے پہل ہوئے ہیں [illegible] — کیا جانے قید کیا ہے اسیرانِ کربلا
موجیں سروں کو پیٹ کے کہتی ہیں آج تک
پیاسا رہا فرات پہ مہمانِ کربلا

واقعۂ کربلا اور وفائے جناب عباسؑ

(جناب مولانا شیخ مختار احمد صاحب مدرس اعلیٰ مدرسہ حسینیہ بڑاگاؤں گھوسی)

کان العباس رجلاً وسیماً جمیلاً یرکب الفرس المطہم ورجلاہ یخطان علی الارض وکان یقال لہ قمر بنی ہاشم وکان لواء الحسین معہ۔ جناب عباسؑ جسامت میں کوہ وپیکر تھے اور جمال میں قمر بنی ہاشم اور جب وہ کاب گھوڑے پر سوار ہوتے تھے تو زمین قدم مبارک کے بوسے لیتی تھی اور آپ علمدار فوج حسینی تھے۔ ... کالجبل العظیم و قلبہ کالطود الجسیم لانہ کان فارساً ھماماً وبطلاً ضرغاماً وکان جسوراً علی الطعن والضرب۔ وقت جنگ ثبات میں کوہ عظیم تھے ہمت میں وہ شیر کے مانند تھا شہسوار عالی ہمت شیر صولت اور نیزہ بازی میں چست وچالاک تھے دنیا میں کوئی اس دلیر کا مقابلہ نہیں کرسکتا تھا کربلا میں اسّی ہزار تک فوج کی تعداد تھی مگر اس دلاور کے رعب کی یہ کیفیت تھی کہ شمر ذوالجوشن کو پہلے ہی سے فکر تھی کہ حضرت عباسؑ کو فوج امام حسینؑ سے علیحدہ کردے چنانچہ مورخین نے لکھا ہے کہ نہم کی رات کو جب تھوڑی سی رات گزر چکی شمر لعین خیمہ امام حسینؑ کے قریب آیا اور پکار کر کہا این بنی اختنا عباس وعبداللہ وجعفر وعثمان حضرت امام حسینؑ مع عباسؑ اپنے خیمہ میں تشریف فرما تھے فرمایا بھائی عباسؑ دیکھو تم کو شمر بلا رہا ہے جاکر سن لو کیا کہتا ہے عباسؑ مع اپنے بھائیوں کے گئے۔ شمر کہنے لگا حسین کو چھوڑ دو اور میرے ہمراہ چلو یہ سننا تھا کہ شیر کو غصہ آگیا تیور بدل گئے قال یا شمر ... اتامرنا ان نترک اخانا وسیدنا الحسین بن فاطمۃ وامان اللہ خیر من امان ابن سمیۃ فرمایا خدا کی امان اس ناپاک کی امان سے بہتر ہے یہ کہہ کر خیمہ میں چلے گئے شمر کی چال تھی کہ قرابت کے ذریعہ سے جناب عباسؑ کو حضرت کے لشکر سے علیحدہ کردے اور اپنی پُرفریب اور مکارانہ باتوں سے ... وزر و جاگیر کی ہوس دلاکر چاہا تھا کہ لشکر امام حسینؑ کو کمزور کردے مگر قربان ہوں جانیں ہماری جناب عباسؑ پر کہ اس آئی ہوئی دولت کی طرف ترچھی نگاہ سے بھی نہ دیکھا اور حق اخوت وبرادری کو ادا کرکے ایک ایسی مثال قائم کردی کہ دنیا کی کوئی ہمت پیش نہیں کرسکتی چنانچہ زہیر ابن قین نیزہ لیے ہوئے جناب عباسؑ کے قریب آئے اور عرض کی اے فرزند امیرالمومنینؑ میں ایک چشم دید حدیث بیان کرنا چاہتا ہوں جناب عباسؑ نے فرمایا ضرور بیان کرو۔ عرض کی اے ابوالفضل آپ کے پدر بزرگوار نے اپنے بھائی عقیل سے کہا مجھ کو ایک نجیب اور شجاع گھرانے کی عورت درکار ہے جس سے میں عقد کروں اور اس سے خدا ایسا فرزند عطا کرے جو قوت بازو ہو میرے فرزند حسینؑ کا اور حق برادری ادا کرے یاد رکھیے اے فرزند شیر خدا اسی دن کے لیے آپ کو شیر خدا نے ذخیرہ کیا ہے دیکھیے کوتاہی نہ ہو یہ سننا تھا کہ شیر کے جسم میں لرزہ پیدا ہوا اور جوش شجاعت میں گھوڑے پر ایسی انگڑائی لی کہ تسمہ رکاب ٹوٹ گئے فرمایا اے زہیر نازک حالت میں تم مجھے جرأت دلاتے ہو واللہ لارینک شیئاً ما رأیتہ قط "ایسی جنگ کروں گا کہ تم نے کبھی نہ دیکھی ہوگی" بے شک علمدار فوج حسینی کی شان تھی فوج اعدا کی کیا حقیقت تھی کہ اس دلاور کے مقابلہ میں آتی مگر افسوس خود امام حسین علیہ السلام کو منظور نہ تھا کہ یہ جنگ قوت حیدری سے ادا کر دنیا ... فتح حاصل کیجیے ... چند مرتبہ علمدار نے رخصت جہاد طلب کی مگر حضرت نے اجازت نہ دی اور جب قاسمؑ ایسے نونہال پامال سم اسپاں ہو چکے تو اپنے بھائیوں کو حضرت سے اذن جہاد دلاکر اپنے سامنے آقا پر نثار کیا اس کے بعد حضرت کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں اور فرماتے ہیں اے آقا قد ضاق صدری میرا سینہ تنگی کرتا ہے بچوں کی پیاس دیکھی نہیں جاتی ... وفادار بھائی نے بہت اصرار کیا تو ارشاد ہوا ... فوج اعدا سے جاکر نصیحت کرکے تھوڑا سا پانی

لا کہ دیکھو بچے پیاس سے ہلاک ہو رہے ہیں جناب عباسؑ ایک چھوٹی سی مشک اُٹھا کر اس قصد سے میدان کی طرف روانہ ہوئے کہ جس طرح ممکن ہو پانی لائیں گھوڑا بڑھا کر شیر خدا کے دلاور نے بڑے کروفر سے میدان جنگ میں رجز پڑھا فرزند حیدرؑ کرار کو دیکھ کر فوج کانپنے لگی اور گھاٹ پر ہر طرف سے جم گئے علمدار شاہ نے گھوڑے کو مہمیز کیا اور نیزہ کو گردش دیکر شیرانہ حملہ کیا اور پہلے ہی معرکہ میں اسّی پیادہ و سوار کو قتل کیا اسی وقت رسالہ داروں نے اپنا اپنا رسالہ لے کر آگے بڑھایا اور چاہا کہ حملہ کریں جناب عباسؑ نے گھوڑے کی باگ موڑ دی اور اس مرتبہ ایسا زبردست حملہ کیا کہ چار سو دشمنوں کو قتل کیا اب کس کی مجال تھی کہ میدان میں قدم جما سکے لشکر یزیدی بھاگ نکلا گھاٹ کا راستہ صاف ہو گیا علیؑ کے شیر کو ترائی نظر آنے لگی گھوڑے کو اسی طرف بڑھایا اور دریائے فرات سے مشکیزہ کو پُر آب کیا اور دریا سے نکل آئے مشک کو کاندھے پر رکھا اور خیمہ کی طرف رخ کیا عمر سعد نے لشکر کو آواز دی کہ اگر یہ مشک حسینؑ تک پہونچ گئی تو سمجھ لو کہ پھر حسینؑ سے کسی میں لڑنے کی قوت باقی نہ رہے گی یہ آواز سن کر چھ ہزار کمانداروں کے تیر گوشۂ کمان سے مل گئے تمام فوج سمٹ آئی نیزہ علم ہو گئے تیروں کا مینھ برسنے لگا تمام جسم سقائے اہل حرم کا تیروں سے چھد گیا مگر اللہ رے جرأت اسی طرح یہ غازی لڑتا ہوا خیمہ کی طرف بڑھا اور فوج پر حملہ کیا لاشیں گرنے لگیں ناگاہ ایک درخت خرما کے قریب پہونچ گئے ہائے کیا معلوم تھا کہ ایک شقی ایسی گھات میں پوشیدہ ہے ایسی ضربت لگائی کہ داہنا ہاتھ شانہ سے قلم ہو گیا حسینؑ کے قوت بازو نے بائیں ہاتھ میں قبضۂ شمشیر پکڑ کر رجز پڑھا اور پھر شدید حملہ کیا اس مرتبہ پھر پچاس آدمی قتل کیے اسی اثنا میں ایک شقی کا وار دوسرے شانہ پر پڑا اب سقائے سکینہ بے بس ہو گیا تلوار ہاتھ سے گر پڑی مگر بچوں کی پیاس کا اس قدر خیال تھا کہ تسمۂ مشک کو دانتوں میں داب کر گھوڑا بڑھایا اور چاہتے تھے کہ کسی طرح خیمہ تک یہ مشک پہونچ جائے ناگاہ ایک تیر مشک پر لگا اور سب پانی بہہ گیا اب عباسؑ کی آس ٹوٹ گئی ساری محنت رائیگاں ہو گئی ناگاہ حکیم ابن طفیل نے سر مبارک پر ایک گرز مارا خود کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا رکن دین تھرا کر زمین پر گرا آواز دی یا اباعبداللہ علیک منی السلام امام مظلومؑ اپنے قوت بازو کی آواز سن کر بے اختیار چیخ اٹھے اور فرمایا ہائے بھائی عباسؑ الآن انکسر ظہری و قلت حیلتی میری کمر ٹوٹ گئی اور امید منقطع ہو گئی یہ کہتے ہوئے کنارہ فرات پر پہنچے کیا دیکھا کہ چھ مہینے کا بیٹا جوان بھائی اپنے خون میں لوٹ رہا ہے گھوڑے سے اترے اور جناب عباسؑ کا سر اپنے زانو پر رکھا اور خاک و خون کو چہرہ سے صاف کیا اور بشدت روئے اور چاہا کہ خیمہ کی طرف لے جائیں جناب عباسؑ نے غش سے آنکھیں کھول دیں اور عرض کی۔ اے آقا کہاں لے جائیے گا۔ فرمایا خیمہ کی طرف۔ جناب عباسؑ نے عرض کی۔ اے آقا آپ کو قسم ہے اپنے نانا رسول خدا کی آپ مجھے اسی جگہ رہنے دیں۔ حضرت نے فرمایا کس لیے۔ عرض کی مجھے آپ کی بیٹی سکینہ سے شرم آتی ہے۔ میں نے اس سے وعدہ کیا تھا۔ افسوس پانی اس تک پہونچانا ممکن نہ ہوا یہ کہہ کر حضرت عباسؑ نے رحلت فرمائی اور روح ان جناب کی جنت کی طرف پرواز کر گئی۔

ضروری اعلان

برخوردار سید اکبر عباس سلمہ اللہ تعالیٰ جے پور) لمعروف بہ "خطیب اصغر" کو میں نے بتاریخ ۳ شعبان یوم ولادت حضرت سید الشہداءؑ بغرض تعلیم مدرسہ عالیہ جعفریہ نوگانوہ ضلع مراد آباد میں داخل کر دیا ہے اور اب وہ زیر نگرانی جناب صدر الملۃ سرکار مولانا السید محمد مجتبیٰ صاحب قبلہ دام ظلہ مجتہد العصر پرنسپل مدرسہ عالیہ جعفریہ درجہ مولوی میں تعلیم پا رہے ہیں میں نے کئی روز قیام کرکے بچشم خود مدرسہ کے حالات کو دیکھا کہ انتظامات لائق تعریف ہیں تعلیم منظم طلبہ کی اخلاقی درستی کا زبردست اہتمام ان کے راحت و آرام کا اعلیٰ بندوبست ہے مدرسین با استعداد خصوصاً جناب صدر الملۃ اور جناب مولانا حکیم سید مرتضیٰ حسن صاحب قبلہ صدر الافاضل مرجع توقیف ہیں ناظرین سے برخوردار سلمہ اور مدرسہ کی ترقیات کے لئے التماس دعا کرتا ہوں آمین بحق محمد و آلہ الاطہار یہ تحریر کرنا بھی ضروری ہے کہ اب برخوردار سلمہ اللہ تعالیٰ کے نظام الاوقات کا تعلق مدرسہ سے ہے لہذا جو حضرات بسلسلہ ذاکری ان کو طلب کرنا چاہیں وہ جناب پرنسپل صاحب سے خط و کتابت کریں۔

خادم سید محمود علی عفی عنہ جے پوری

لکھنؤ تشریف لاکر امامباڑہ نواب آصف الدولہ بہادر میں یادگار عشرہ مجالس میں شرکت فرمایئے

اور اُن مقامات مقدسہ کی زیارت کیجئے جو کہ معصومین علیہم السلام کے اصل روضہ مبارک کی بالکل شبیہ ہیں یہ عشرۂ مجالس ۱۷ محرم لغایت ۲۶ محرم مطابق ۲۳ دسمبر ۴۵ء لغایت پہلی جنوری ۴۶ء تک ہوگا۔ روزانہ ایک مرتبہ اور دو ذاکرین کی مجالس ہونگی۔ ہر مجلس کے پہلے ایک قاری صاحب تلاوت قرآن شریف فرمائینگے۔ بعد مجلس منسلقہ انجمنیں ماتم کرینگی۔ روزانہ نماز ظہرین و مغربین بجماعت ہوگی۔ بیرونجات کے مومنین کے قیام وغیرہ کا بہت مناسب انتظام ہوگا انشاء اللہ۔ اپنی تشریف آوری سے کم سے کم ایک ہفتہ پہلے اطلاع دینا ایک حد تک بہت ضروری ہوگا۔ پانچ محرم تک بذریعہ اخبارات و ہینڈ بل پورا پروگرام شائع ہوگا۔ عزائے امام حسین علیہ السلام میں شریک ہوکر معصومہؑ کی روح کو خوش کیجئے اور دوسرے مومنین کو اطلاع دیکر ثواب دارین حاصل کیجئے۔ خداوند کریم کے فضل و کرم سے کل ذاکرین میں سے صرف چار حضرات سے پورے طریقہ پر وعدہ [illegible] تک نہیں ہوا ہے۔ [illegible] بل کے علاوہ دیگر ذاکرین و علمائے کرام کی فہرست آئندہ شائع کروں گا۔

(۱) عالی جناب مولانا مولوی سید ابن حسن صاحب قبلہ مدظلہ (نونہروی) (۲) عالی جناب مولانا مولوی سید ابن حسن صاحب ام اے بی ٹی (جارچوی) (۳) عالی جناب مولانا مولوی سید ظفر حسن صاحب سرپرست نور (مرادآباد) (۴) عالی جناب خان بہادر ڈاکٹر سید اعجاز حسین صاحب پی ایچ ڈی لندن (۵) عالی جناب مولانا مولوی حافظ کفایت حسین صاحب مدظلہ (٦) عالی جناب مولانا مولوی سید محمد صاحب (دہلوی) (۷) عالی جناب آغا [illegible] پنجاب ہما فنا ذوالفقار علی شاہ صاحب (۸) عالی جناب مولانا مولوی حکیم مرتضیٰ حسین صاحب (الہ آبادی) (۹) عالی جناب مولانا مولوی خواجہ عبد اللطیف صاحب انصاری (پنجاب) (۱۰) عالی جناب پنڈت نیک رام صاحب عرف غلام پنجتن (لاہور) (۱۱) عالی جناب مولانا مولوی سید رضا حسین صاحب رشید ترابی (حیدرآباد) (۱۲) عالی جناب مولانا مولوی سید علی محمد صاحب اجلال ثم (حیدرآبادی) (۱۳) عالی جناب مولانا مولوی سید محمد سبط ہادی صاحب عرف فنی صاحب ہائی پریسٹ (مرشدآباد) (۱۴) عالی جناب مولانا مولوی محسن نواب صاحب مجتہد مقیم جونپور (۱۵) عالی جناب مرزا محمد طاہر صاحب رفیع (۱٦) عالی جناب سید علی نواب صاحب قدیم (۱۷) عالی جناب افضل صاحب قسیم (۱۸) عالی جناب سید سجاد حسین صاحب شبیر (۱۹) عالی جناب سید قائم رضا صاحب نسیم (۲۰) عالی جناب سید محمد میرزا صاحب مہذب (۲۱) عالی جناب سید سرفراز حسین صاحب خبیر (۲۲) عالی جناب بادشاہ مرزا صاحب تمنا (۲۳) عالی جناب سید آل رضا صاحب رضا (۲۴) عالی جناب صفر میاں سلمہ خلف عالی جناب سید ظفر حسن صاحب عرف بابو صاحب فائق اعلی اللہ مقامہٗ (خادم مومنین) لیمین مرزا اسرار اقبال علیخاں عرف پیارے مرزا صاحب مرحوم نبیرہ آصف صاحب مرحوم جوہری محلہ لکھنؤ۔

تپدق

اور پرانے بخارات کے مریضو

جبری کا نام نوٹ کرلو!

یہی آپ کی زندگی کا سہارا ہے

ہزارہا استعمال کرنے والوں کا کہنا ہے کہ تپ دق کے مریض کی جان بچانے کے لئے "جبری" دوا نہیں بلکہ ایک "ایشوری شکتی"

خداداد طاقت ہے نوٹ کرلو

تپدق کے مریضو!

آج نہیں تو کل اب نہیں تو پھر آپ کو اپنی جان بچانے کے لئے "جبری" کو استعمال کرنا ہی پڑے گا۔ پھر کیوں نہیں ابھی شروع کر دیتے ورنہ پھر وہی مثل ہوگی کہ

اب پچھتائے کیا ہوت
جب چڑیاں چگ گئیں کھیت

اس لئے آج ہی آرڈر دے کر اپنی جان کی حفاظت کریں آرڈر دیتے وقت اخبار کا حوالہ ضرور دیں تاکہ آرڈر کی فوراً تعمیل ہو سکے۔

قیمت جبری سپیشل کو ان امیروں کے لئے جو ساتھ طاقت کو بڑھانے کے لئے سونا موتی مشک وغیرہ قیمتی کشتہ جات بھی پڑے ہیں مکمل کورس ۴۰ روپے پچیس روپیہ نمونہ دس روز کیلئے بیس روپیہ

جبری نمبر ۲

صرف قیمتی جڑی بوٹیوں کا مرکب ہے امیر غریب سب استعمال کر سکتے ہیں مکمل کورس بیس روپے نمونہ دس روز صرف چھ روپیہ دس روز میں ہی حیرت انگیز فائدہ ظاہر ہوگا۔

(محصول ڈاک پندرہ آنہ علیحدہ لگتے ہیں)



پتہ:-

رائے صاحب کے ایل شرما

اینڈ بینکرز (۳۵) شیلانگ (آسام)

یا پنجاب آفس "جگادھری"

مناظرہ، موعظہ، ذاکری اور علمی، تحقیقی، اخلاقی، تاریخی مضامین کے خزانے

پتہ		پتہ
مدیر دائرۃ الاشاعت نوگانوہ ضلع مرادآباد یوپی	# محرّم میں ہم اور غم	مدیر دائرۃ الاشاعت نوگانوہ ضلع مرادآباد یوپی

صدرالملۃ جناب مولانا السید محمد مجتبیٰ صاحب دام ظلہ مجتہد العصر پرنسپل مدرسہ عالیہ جعفریہ و سرپرست دائرۃ الاشاعۃ نوگانوہ کے زرین افادات

کشف الاشتباہ } روس کے ایک زبردست عالم موسیٰ جاراللہ نے لعن و تبرا، تحریف، تقیہ، متعہ، بداء وغیرہ ایسے مسائل کے متعلق علماء و مجتہدین نجف سے بیس سوالات کئے تھے حجۃ الاسلام آیۃ اللہ آقا شیخ عبدالحسین رشتی نجفی دام ظلہ نے ان کے بے پناہ محققانہ جوابات تحریر فرمائے اور جناب صدرالملۃ دام ظلہ نے ان کو اپنے بے مثل ترجمہ اور تحقیقی حواشی سے آراستہ فرمایا۔ بیش بہا معلومات کا دریا۔ مناظرین و ذاکرین کے لئے مفید ذخیرہ۔ قیمت عہ۱ر

الاعتبار:۔ مذہب حقہ کے متعلق غیر مذاہب کی رائیں، ذاکرین کے لئے بے حد مفید۔ قیمت ...... عہ ر

زینۃ المجالس (دوسرا ایڈیشن) جس میں معرکۃ الآراء آیات و احادیث کے ماتحت مذاق جدید کے موافق نکات و لطائف و استدلال اور دلدوز مصائب پر مشتمل ۳۸ مجلسیں ہیں۔ قیمت عـہ۸ر

تحقیق دعا:۔ مسئلہ دعا کا تحقیقی حل، اعتراضات کے مسکت و تسلی بخش جوابات قیمت ۵ر

جواہر بے بہا:۔ محققانہ و تبلیغی مضامین کا ذخیرہ جس میں مناظرہ و ذاکری کے دریا موجزن ہیں حصہ اول ۶ر دوم ۳ر سوم ۶ر چہارم ۱ر

تعلیم الشہداء:۔ شہداء کربلا کی جان نثاریوں سے اخلاقی سبق، ذاکرین و واعظین کے لئے نہایت کارآمد قیمت عہ ر

اثبات الحجاب (دوسرا ایڈیشن) در بحث پردۂ نسواں قیمت ۶ر

تشریح الکبائر (دوسرا ایڈیشن) گناہان کبیرہ کا مفصل بیان قیمت ۱ر

عناصر الایمان حضرت سلمانؓ ابوذرؓ مقداد اور عمار رضوان اللہ علیہم کی روح پرور اور سبق آموز سوانح عمریاں ۳ر

سمط الدرر (مترجم) جناب صدرالملۃ دام ظلہ کے عربی قصائد اور تحقیق البیان در بحث تعلیم نسواں ۳ر

عین حقیقت (دوسرا ایڈیشن) اس اعتراض کا دنداں شکن جواب کہ سیدالشہداء جنگجو اور جاہ طلب تھے۔ ۱ر

الحق:۔ جناب مولانا سید ابو محمد صاحب نوگانوی پیشنماز جانسٹھ کی خلافت حقہ کے متعلق بہترین تصنیف حصہ اول ۳ر دوم ۳ر

حسینؑ اور اسلام

(از جناب سید مکرم حسین صاحب جلالوی)

بقائے اسلام کی باعث وہ زرّین خوبی شہادتِ عظمیٰ ہے جس کی بابت کتابِ خدا ببانگِ دہل اہل اسلام کو پکار کر متوجہ کر رہی ہے۔ وفدینٰہ بذبحٍ عظیم اور اس کی کنہ کو سمجھ کر خواجہ معین الدین چشتی نے اپنی رباعی میں اظہار حق کیا۔ رباعی

شاہ است حسینؑ بادشاہ است حسینؑ — دین است حسینؑ دین پناہ است حسینؑ
سر داد نداد دست در دست یزید — حقا کہ بنائے لا الٰہ است حسینؑ

واقعاً اگر امام مظلوم روح لہ الفدا جام شہادت کو نوش فرمانے کے لیے وعدہ نہ فرماتے تو وہ اسلام (تو اس کے ذکر کو خلاق عالم اپنی کتاب صادق میں فخریہ بیان نہ کرتا ان الدین عند اللہ الاسلام) بالکل صفحۂ ہستی سے حرف غلط کی طرح فنا ہو جاتا۔ اور نہ وہ بانیٔ اسلام خاتم الانبیاء سرورِ کائنات کا وہ وجود جو ہمارے لیے باعثِ سعادت ہے ہوتا۔ کیونکہ مفسرین نے اس آیت کی تفسیر میں تحریر کیا ہے کہ یہ شہادتِ عظمیٰ فدیہ ہے۔ اس خواب کا جو خلیلؑ خدا نے دیکھا جس کا ذکر قرآن نے کیا ہے کہ خلیل خدا نے اپنے بیٹے کو خود ذبح کرتے ہوئے دیکھا اور اس کی تعمیل کی حضرت اسمٰعیلؑ سے کیا ایسا ایسا خواب دیکھا ہے تو کہا کہ آپ تعمیل کیجئے انشاء اللہ تعالیٰ آپ مجھے صابرین سے پائیں گے خلیلؑ خدا نے حضرت سارہ سے جو ذبیح اللہ کی والدہ تھیں فرمایا کہ اسمٰعیلؑ کو نہلا کر نئے کپڑے پہنا دو اور عطر و سرمہ لگا دو گیسو بھی سنوار دو حضرت سارہؑ نے دریافت کیا کہ آج کیا بات ہے آپ نے فرمایا کہ ایک دوست کے ضیافت ہے وہاں جانا ہے حضرت سارہؑ نے تعمیل ارشاد کی جب حضرت خلیلؑ خدا اپنے فرزند کو لے کر چلنے کا قصد کیا۔ آپ نے حضرت سارہؑ سے کہا کہ ایک چھری اور ایک پٹی دے دو حضرت سارہؑ نے وجہ دریافت کی فرمایا شاید وہاں گوسفند ذبح کرنا پڑے حضرت سارہؑ نے لال دیدی اور خلیلؑ خدا رخصت ہوئے ماں کا دل تھا اپنے فرزند کو رخصت کر کے آبدیدہ ہو گئیں اور حدِ نظر تک دیکھا لیکن صبر کر کے بیٹھ رہیں ماں کا دل تھا اور محبت تھی گو انجام کی خبر نہ تھی پھر بھی فرزند کی طرف سے مختلف وسواس تھے کیونکہ خود چھری دی تھی اگر اولاد پر مصیبت آتی ہے گو ماں وہ دور سہی مگر دل بےچین ہو جاتا ہے کھانا وغیرہ برا معلوم ہوتا ہے۔ الغرض حضرت ابراہیمؑ نے تعمیل کا ارادہ کیا اور حضرت اسمٰعیلؑ کو لٹایا۔ حضرت اسمٰعیلؑ نے کہا بابا شاید آپ سے میرا خون میں تڑپنا نہ دیکھا جا سکے تو آپ آنکھوں پر پٹی باندھ لیجئے باپ کا دل ہے فرزند کو اپنے ہاتھوں سے ذبح کرنا بڑا اہم کام ہے۔ حضرت ابراہیمؑ نے پٹی باندھی اور چھری ہاتھ میں لے کر گلے پر چلا دی بحکم خلاق عالم خلد سے آکر گوسفند ذبح ہو گیا اور حضرت اسمٰعیلؑ محفوظ رہے۔ جب حضرت ابراہیمؑ نے پٹی کھولی تو دیکھا کہ فرزند صحیح و سالم ہے اور بجائے اس کے گوسفند ذبح ہو گیا ہے جس کی نقل ہم کرتے ہیں خطاب باری ہوا کہ اے ابراہیمؑ تم نے خواب کو سچا کر دکھایا مگر ہم نے اس قربانی کا فدیہ ایک عظیم الشان قربانی کو مقرر کیا۔ اگر حضرت اسمٰعیلؑ ذبح ہو جاتے تو پھر سلسلہ نسل منقطع ہو جاتا جس نسل سے کہ ہمارے نبی آخر الزماں کا سلسلہ نسب ہے اور پھر اس طرح نہ حضرت رسولخداؐ دنیا میں آئے اور نہ پھر وہ اسلام کی شریعت جس کو کہ مصائب جھیل کر جاری کیا تھا نہ ہوتی۔ اس وجہ سے حضرت سید الشہداء نے عالم ارواح میں جبکہ ارواح عالمین سے خطاب باری ہوا کون شخص ہے وہ جو اس قوم کو جس کو ہم پیدا کریں گے عذاب سے بچا کر ثواب پر لگائے۔ ۳ دفعہ خطاب ہوا مگر سوائے حضرت سید الشہداءؑ کے کوئی ایسا نہ تھا جو واقعہ ہائلہ جیسے مصیبتیں بلا ذل اور مظالم کو برداشت کرے صرف امام مظلومؑ نے اقرار کیا۔ اور جب

جبرئیل آمین رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہوئے کہ آئے تو حضرت سید الشہداء
نے دستخط ثبت کیے جبکہ تو تحریری تھی۔ اور وعدہ اسلام کو بچانے کے لیے
وعدہ کیا اُس اسلام کو جس کے لیے حضرت ختمی مرتبتؐ نے بہت سی تعلیمات
مصائب برداشت کیے اور جان عزیز کو پروانہ کی جیلا رہے یا بسا کی دھمکیوں
سے نڈر رہے راہ خدا میں متوکل بخدا رہے اور اس اسلام کے لیے جسکے
لیے ان کے باپ حضرت علیؑ نے بعد نبیؐ اشاعت و سیع کرنے کی انتھک
کوشش کی اور آخر میں اسلام کے لیے خالق کی عبادت میں ضرب تیغ سم
آلود کو جو ختم حیات کا باعث ہوئی خندہ پیشانی سے جھیل لیا اور اپنے
خون ناحق کی شجر اسلام کی کشت میں آبپاشی کی تاکہ سرسبز ہو اور اس
اسلام کو جس کی خاطر ان کی والدہ جناب سیدہؑ نے اپنی قلیل زندگی
تالیف و مصائب برداشت کر کے گزاری حکم مبارک پر درگاہ کو گرنا حضرت حسنؑ
کا شہید ہونا شکم میں ایسی مصیبت پر عنان صبر کو ہاتھ سے نہ چھوڑا اور حضرت علیؑ
کے گلے میں رسی کا دیکھنا جس تو معصومہ عالم کو کہنا پڑا صبت علی مصائب لو انہا
صبت علی الایام صرن لیالیا۔ اور اُس اسلام کو جس کے واسطے
امام حسنؑ آپ کے بھائی نے بنابر مصلحت صلح وصبر سے کام لیا اور بالآخر
جام شہادت نوش کیا اور خود حضرتؑ نے بڑے بھائی کے جنازہ پر تیروں کا
مینہ برستے دیکھا صبر کیا اور بھائی کو نانا رسول کے مزار میں دفن کرنے پر
لوگوں کے انکار کو بالآخر ماں کے پہلو میں دفن کیا صبر سے کام لیا چونکہ موقع و
محل کا مقتضی تھا اور ان سب حضرات نے وہی کیا جو ماحول و مشیت ایزدی
کے مناسب تھا یہ سب منظر امامؑ نے اپنی آنکھوں سے دیکھے موقع کے منتظر
رہے اور جب وہ موقع آیا تو اس پروردہ آغوش نبوت و امامت نے
مناسب موقع پر غور کیا بعلم لدنی آپ انجام سے واقف تھے اور رسول
نے بھی بتایا تھا اب وہ وقت آ گیا جس کا بہت دن سے انتظار تھا۔ وہ
شجر اسلام جس کو کہ آپ کے نانا باپ ماں نے قربانیاں دیکر سینچا تھا وہ
قصر اسلام جس کی ان حضرات نے بنیادیں قائم کی تھیں وکشتی اسلام جس کے
یہ ناخدا تھے باد مخالف سموم کے تیز و تند جھونکوں سے پژمردہ ہو رہا تھا
اسکی بنیادیں باطل کے جارحانہ حملوں سے متزلزل ہو رہی تھیں اس کی
کشتی ڈوبی جا رہی تھی اسکے مالی معمار ناخدا دنیا سے جا چکے ہیں وہ اسلام
جس کی اصول شریعت بدل رہے ہیں اور وہ نوزائیدہ اسلام جو ابتک
آغوش نبوت و امامت میں محفوظ تھا تباہ ہو رہا ہے گوشہ امن کا متلاشی ہے
اب چاہتا ہے کوئی ہمدرد اس کو دامن امن میں جگہ دیدے اسکی متزلزل
بنیاد کو سہارا دیدے اسکی شریعت کوئی لیوے۔ اسکے شجر کو پژمردہ نہ ہونے
دیوے اسکی کشتی کو غرقاب ہونے سے مامون کردے اسکے پرورش کنندگان
کی مانند اپنے خون سے سینچ دیوے تاکہ پھر وہ سرسبز ہو کر لوگوں کو نفع سے
بہرہ مند کرے اور راہ راست دکھا سکے عذاب کے راستے سے ثواب کے راستہ
پر لادے اب اسکو کون سہارا دیوے نہ اب رسولؐ ہیں نہ علیؑ ہیں نہ حسنؑ
جو امان دیدیں اور نہ فاطمہؑ جن کی چادر عصمت میں پناہ لے سکے۔ اسکی
نظر گردش کرتی ہوئی ایک معصوم ہمدرد پر پڑتی ہے جو اس کی طرح آغوش نبوت
میں پلا ہوا ہے بس وہی ایک سہارا ہے جو باطل کے دست برد سے بچا سکے
جو اسکے آواز استغاثہ پر لبیک کہہ اٹھا کمر ہمت باندھی کہ اپنے نانا کے اسلام کو
باطل سے محفوظ کرنے کے لئے اگر آج نانا رسول نہیں بابا علیؑ نہیں بھائی حسنؑ نہیں
ماں فاطمہؑ نہیں آ میں تو موجود ہوں اگر آج شجر اسلام کو شاداب رہنے کو میری مدد
میرے خون کی ضرورت ہے تو میں تیار ہوں اگر یہ بھی ناکافی ہے اعزا بھائی
بھتیجے بیٹے موجود ہیں اور احباء انصار حاضر ہیں اور اب بھی ضرورت ہے تو
شش ماہہ اصغرؑ پیش کرتا ہوں جو نئی تازہ کلی ہے بعدہٗ میرا مال اہلبیت
سب کچھ حاضر ہیں خدمت اسلام کے لئے بے پردگی ناموس گوارا اور یہ سب کچھ منظور
مگر اسلام کا مٹنا گوارا نہیں اسلام کے تن زار میں تازہ دوڑتا ہوا دم آجائے
چاہے میرا سب کچھ برباد ہو جائے۔ اُدھر فسق و فجور کا حامی یزید باطل پرست
شرابخور زنا کار تھا اپنی تمام لوگوں سے بیعت لے رہا ہے اسلام و اہل اسلام
مصیبت میں ہیں کوفہ والے خطوط امام کے پاس روانہ کرتے ہیں مختلف مضامین
کے یزید اپنے خواہش نفس و منشا کے مطابق احکام شریعت و فرمان خلافت کو
چاہتا تھا اسکے اسلاف اور غاصبان حق اہلبیت اس ماحول کی ابتدا کر چکے تھے
احوال وقت کے مناسب امامؑ نے کیا ایک نئے مجاہد کے منتظر تھے جو آئے گا
جو اس خونی جنگ کی تاریخ میں نئے باب کا افتتاح کرے گا امام نے اپنے
بھائی جناب مسلم کو نیابت میں کوفہ روانہ کیا ادھر تمام اہلبیت کو علاوہ ایک دختر علیل
کے لیکر مدینہ سے چلتے ہیں حج کے مقصد سے مگر حرمت کعبہ کو مدنظر رکھ کر عمرہ
سے بدل دیا ادھر سفیر حسینؑ کو بعد صعوبات و مصائب کے عید قربان سے قبل شہید
کر دیا گیا لاش کے ساتھ بے حرمتی کی سردار الحمارہ پر آویزاں کر دیا دیتا اور دیہ

سب کے اصول بدل دیے راہ میں خبر معلوم ہوئی (شناسائی) حر تو ریاحی کے ساتھ رحم و انصاف کیا ایثار کا نمونہ پیش کیا مگر وہی عنان پر ہاتھ ڈالتا ہے کوفہ میں داخل نہیں ہونے دیتا۔ الغرض دوسری محرم کو وارد کربلا ہوئے لب دریا سے خشکی پر منتقل ہو جاتے ہیں ساتویں سے پانی دانہ بند کر دیا گیا یہ مہمان کی ضیافت ہے بلا کر ظلم کیا جا رہا ہے۔ نویں تاریخ گزرتی ہے رات کو صرف عبادت کے لئے مہلت ملتی ہے امام شمع گل کر کے بار اطاعت ہٹا لیتے ہیں جو جانا چاہے چلا جائے اندھیرا ہے۔ شروع ہی سے انجام سے خبردار کر رہے تھے لوگوں یہاں مال غنیمت نہ ملے گا یہ دنیاوی جنگ نہیں بلکہ ہم سب شہید کر دیے جائیں گے صرف کچھ وفادار جان نثار ہیں جو دامن نہیں چھوڑتے۔ رات کو بھتیجے سے سوال ہوتا ہے بیٹا موت کیسی ہے نو عمر بچہ جواب دیتا ہے موت تو شہد سے بھی زیادہ میٹھی ہے۔ صبح ہوتی ہے شبیہ رسول خوش الحانی سے کلمۂ حق اذان دیتے ہیں یاد حق سے زبان کو تر رکھنے والے طاعت گزار یاد حق میں سرشار ہو جاتے ہیں فریضۂ سحر تو ادا ہو رہا ہے وہ کس موقع پر کہ دشمن ایمان تیر برساتے ہیں۔ یہ وہ صبح ہے جس کی شام دیکھنی میسر نہ ہوگی بارگاہ حق میں چلے جائیں گے۔ فریضہ سے فراغت ہوئی میدان کارزار گرم ہے سپاہ شام سے مددگار امام حر خطاوار رحم آتا ہے امامؑ معاف کر دیتے ہیں چونکہ حق بین نگاہیں رکھتا ہے عید طفلی کا ساتھی جیسے ہراول بنتا ہے انصار اجازت جہاد طلب کرتے ہیں جن میں کمر خمیدہ بڈھے بھی ہیں۔ یکے بعد دیگرے سب فائز بشہادت ہو گئے اعزا کی باری آئی بھائی بھتیجے بھانجے بھائی قوت بازو بھتیجا جو ایک رات کا بیاہا ہے بھانجے جو بہن کی دولت ہے بیٹا جو ہو بہو شبیہ رسول ہے بازو سر راہ حق میں کٹا کر آرام کی نیند سو رہے ہیں صبر و شکر کرتے ہیں یہاں تک کہ ششماہہ بھی گرم زمین پر جہاد صامت کر کے لشکر میں تلاطم پیدا کر کے باپ کی گود میں ہدف تیر ہوا حجت تمام کر دی ۳ دن کی پیاس ماں کا دودھ خشک ہو گیا تھا آغوش زمین میں سپرد کر کے اہل حرم سے رخصت لے لے آتے ہیں سب کو تسلی و تشفی دیکر بیمار بت فرزند کو نائب اور کاروان سالار بنا کر سپرد خدا کر کے مین حکم جہاد کی تعمیل کر کے زخموں سے چور ہیں ہر آلہ آزار ہے زمیں پر تشریف لائے ہیں عصر کا وقت آ گیا نہ انصار ہیں نہ اعزا تنہا یاد حق میں محو ہیں قاتل سینہ پر سوار ہو کر کند خنجر سے سوکھا گلا زخمی کر رہا ہے بہن سامنے دہائی دے رہی ہے یکایک آفتاب عالمتاب کو گہن لگا سیاہ آندھیاں چلنے لگیں زمین متزلزل ہوئی سر اقدس مع بہتر سروں کے نیزہ پر بلند معراج پر ہے سورہ کہف کی تلاوت ہو رہی ہے ظالمین نے اصول انسانیت پس پشت ڈال دیے تھے وقت ذبح جانور کو پانی پلاتے ہیں ہم جنس کو لٹا دیتے ہیں انسانیت سوز مظالم لاشہائے شہدا کا پامال سم اسپاں ہونا تاراجی خیام اسباب کی لوٹ ننگے سر بے ردا بہنوں کا پھرایا جانا شتر و دربار شام کا منظر تشہیر بیمار کربلا سے کوئی پوچھے۔۔۔ اہلبیت بھی فرض بقائے اسلام میں شریک ہونے کی وجہ سے ہمراہ امام آئے تھے۔۔۔۔۔ حق و باطل کفر و اسلام کی جنگ تھی کون کامیاب رہا یزید یا حسینؑ؟ کامیابی کا سہرا حسینؑ کے سر رہا حسینؑ کا مقصد پورا ہوا یعنی اسلام کی بقاء جبتک اسلام ہے نام حسینؑ زندہ ہے۔ امام مظلومؑ نے آل رسول سے سوال بیعت فاسق رہتی دنیا تک ختم کر دیا اور یزید و یزیدی لوگ اور شان و شوکت فسق دو روزہ فنا ہو گئی نہ نام ہے نہ نسل نہ مطلب و مقصد حسینؑ شہید زندہ جاوید ہے ماں زہرا خود گھن میں آگیا مگر مہر اسلام کو تا قیامت حیات جاودانی بخشدی قرآن باآواز بلند کہہ رہا ہے کم من فئة قلیلة غلبت فئة کثیرة۔ لا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ امواتا بل احیاء و عند ربہم یرزقون۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

عباس علمدار

(از جناب سید آل محمد حسینی الحسنی مہر جائسی)

نظر کو خیرگی کا ہے سبب تاب ضیا باری
ہے کس کا نام آخر طرۂ تاج وفاداری

مسلم کیوں نہ ہو اسکی زمانہ میں وفاداری
جسے پیارا کہے اپنا رسول اللہ کی پیاری

سکینہؑ بنت شہ سے جان تک جس نے نہ کی پیاری
زباں زد حضرت عباسؑ کی ہے ناز برداری

علم عباسؑ کا جب تک ہے جزو تعزیہ داری
نہ بھولے گی علمدار حسینی کی وفاداری

یہ کس کے خون ناحق کا ہے ذروں میں اثر باقی
کہ ہر عاشور کو ہوتا ہے مٹی سے لہو جاری

قیامت ہو گئی عاشور کو میدان غربت میں
شہیدان وفا کے خون کی نہریں ہوئیں جاری

یہ شہر آب اور ساقی کوثر کے گھرانے پر
جو ہوتے احمدؐ مرسل تو کرتے سب پہ حد جاری

وہ پنجہ کی چمک وہ دوپہر کی دھوپ کا ڈھلنا
قیامت تھی علم کی چھوٹ پرچم کی ضیا باری

وطن سے حضرت عباسؑ اک شب کو نہیں سوئے
اسے کہتے ہیں غمخواری یہ تھی شان مددگاری

علیؑ نے بھی وفاداری دکھائی ہے پیمبرؐ سے
زباں زد ہے مگر ان کی علمداری وفاداری

وہ فوج حق کہ جس کا ہر سپاہی جعفر و حمزہ
کوئی آسان تھی فوج حسینیؑ کی علمداری

محرم کیلئے بہترین مرثیے اور نوحے

سوزخوانی کے بیمثل منتخب مراثی

ایک عرصہ سے مومنین کو سوزخوانی مرثیوں کی ضرورت تھی جو مشہور اساتذہ کے منتخب شدہ ہوں۔ اس لئے کتب خانہ ہذا نے ہلال محرم کے چھ حصے شائع کیا ہے جس میں اعلیٰ مسکی سوزخوانی مرثیے درج ہیں جو سوزخوانوں کے بستوں سے انتخاب کئے گئے ہیں۔

مرثیوں کا انتخاب اس قدر آسان و سہل ہے کہ عورتیں بھی آسانی سے ساتھ پڑھ سکتی ہیں۔ یہ مجموعے اس قدر مشہور و مقبول ہوئے ہیں کہ بعض حصے چھ چھ دفعہ شائع ہوئے ہیں اور پھر قریب الختم ہیں

ہلال محرم یعنی شمشیر ماتم حصہ اوّل

(چوتھا ایڈیشن)

۱۴۱ رباعی ۴۲ سوز ۳۳ سلام ۸۸ مرثیے ۲۲ نوحے ۵ نقشے مقامات مقدسہ۔ وفات رسول خداؐ سے شہادت امام حسینؑ تک کاغذ چکنا عہ/ یہ حصہ بالکل قریب الختم ہے پانچواں ایڈیشن زیر طبع ہے۔

ہلال محرم حصہ دوم چوتھا ایڈیشن

۱۰۰ رباعی ۴۶ سوز ۵۰ سلام ۷۸ مرثیے ۳۱ نوحے ۵ نقشہ مقامات مقدسہ ۴۱۲ صفحہ۔ تاراجی خیام سے واپسی اہلحرم بمدینہ منورہ تک یہ مجموعہ اس قحط القرطاس اور عالمگیر گرانی کے زمانہ میں باضافہ مراثی شائع ہوا ہے قیمت کاغذ چکنا ہے/

ہلال محرم حصہ سوم

۸۹ رباعی، ۶۰ سوز، ۶۰ سلام، ۴۲ مرثیے، ۴ نقشہ مقامات مقدسہ، ۳۲۰ صفحہ، وفات رسولِ خداؐ سے شہادت حبیب ابن مظاہر تک، کاغذ کھرہ عہ/ چکنا ختم۔

ہلال محرم حصہ چہارم، تکملہ حصہ سوم

۱۰۰ مرثیے ۶۰ نوحے دو نقشہ مقامات مقدسہ ۵۴۰ صفحہ، شہادت پسران حضرت زینبؑ سے شہادت امام حسینؑ تک، کاغذ چکنا للعہ/ کھرہ سے/ ہر دو حصہ کھرہ صہ/

ہلال محرم حصہ پنجم

۱۰۰ رباعی ۴۶ سوز ۵۰ سلام ۷۵ مرثیے ۴ نقشہ مقامات مقدسہ ۶۰۴ صفحہ، تاراجی خیام سے زندان شام و ملاقات ہند تک کاغذ چکنا عہ/ کھرہ عہ/

ہلال محرم حصہ ششم تکملہ حصہ پنجم

۸۳ مرثیے ۶۰ نوحے دو نقشہ مقامات مقدسہ ۵۱۶ صفحہ وفات حضرت سکینہؑ سے واپسی اہلحرم بمدینہ منورہ اور شہادت امام چہارم سے امام یازدہم اور انہدام جنت البقیع تک کاغذ چکنا ہے/ کھرہ عہ/ ہر دو حصہ یکجائی چکنا صہ/ کھرہ للعہ/ مزید رعایت ہر چھ حصے یکجائی کاغذ چکنا عہ/

ہلال ماتم

۷ سلام ۳۲ مرثیے جناب کامل مرحوم کے جگر سوز اور دلخراش سوزخوانی کے مرثیے۔ قیمت کاغذ کھرہ عہ/ سفیر ماتم ۷ قصائد ۱۰ مرثیے ۴۱۵ صفحہ ۱۲ار/ سبع مثانی مرزا دبیر کے خاص بند کے چودہ مرثیے ۴۹۲ صفحہ کاغذ کھرہ للعہ/

بیاض نوحہ جات

یعنی مجموعہ نوحہ جات شعرائے محترم دوسرا

فغان محرم (حصہ اوّل) ایڈیشن ۲۶۳ نوحے ۶۲۴ صفحہ وفات رسول خداؐ سے شہادت امام حسینؑ تک کے منتخب نوحے چکنا ہے/ کھرہ عہ/

فغان محرم (حصہ دوم) ۳۸۱ نوحے ۶۴۰ صفحہ تاراجی خیام سے انہدام بقیع تک، کاغذ چکنا ختم، کھرہ للعہ/

درۃ الغموم یعنے مجموعہ نوحہ جات استاد الفرنامی مرحوم ۱۳۲ نوحے ۲۹۶ صفحہ کاغذ چکنا ۱۲ کھرہ ۸

جام شہادت یعنے نوحہ جات شوکت بلگرامی مرحوم

حصہ اول چوتھا ایڈیشن ۱۶۲ نوحے ۴۰۰ صفحہ

شوکت مرحوم کے نوحوں کی جو شہرت ہندوستان میں ہوئی محتاج تحریر نہیں ہر نوحہ جگر خراش رقت آمد مقبول خاص وعام ہے قیمت ۱۲ اور پتلا کھرہ ۱۲

جام شہادت حصہ دوم پانچواں ایڈیشن ۱۳۶ نوحے ۳۰۲ صفحہ کاغذ چکنا ۱۲

جام شہادت حصہ سوم ... نوحے ... صفحہ ... چکنا ۱۲ وعلاوہ

... وغیرہ ... شائع ہوئی ہیں

... جگر خراش مجموعہ ... ۲۴۸ صفحہ

ہر نوحہ جگر سوز رقت آمیز اور ... مقبول خاص وعام ہے

کہ اس عالمگیر گرانی کے زمانہ میں شائع کرنا پڑا قیمت کاغذ چکنا ۱۲

ساغر آل نبی یعنے نوحہ جات حکیم علی ۳۰۵ نوحے ۲۴۸ صفحہ رقت اور بکا پیدا کرنے میں یہ نوحے اپنی آپ نظیر ہیں کاغذ چکنا ۱۲ کھرہ ۱۲ ضمیمہ ۴

تسکین فاطمہ مجموعہ نوحہ جات نگین حصہ اول دوسرا ایڈیشن

۱۲۰ نوحے ۱۷۶ صفحہ یہ نوحے اس قدر مقبول ہوئے ہیں کہ ایک ہی سال میں دوسرا ایڈیشن اس عالمگیر گرانی کے زمانہ میں شائع کرنا پڑا

چومصرعے نوحے جن کے ہر ایک بند میں جواب ہے خاص نگین صاحب کی ایجاد ہے جو عنایت مقبول ہوئے ہیں کاغذ چکنا ۱۲

تسکین فاطمہ حصہ دوم

۲۰ نوحے ۷۸ صفحہ یہ مجموعہ اسی سال شائع ہوا ہے اس میں بے مثل سبکی دلخراش جدید طرز کے نوحے ہیں کاغذ چکنا ۱۲

رعایت ہر دو حصہ یکجائی ۱۲

بیاض اہل ماتم یعنے نوحہ جات لائق مرحوم حصہ اول ۱۰۲ نوحے ۳۵۳ صفحہ کاغذ چکنا عہ حصہ دوم ۷۵ نوحے ۱۳۲ صفحہ چکنا ۸ کھرہ ۶

وسیلہ بخشائش نوحہ جات جناب غیور مرحوم دوسرا ایڈیشن ۵۰ نوحے ۸۰ صفحہ چکنا ۸ کھرہ ۶

معراج غم نوحہ جات حکیم رعد ۴۱ نوحے ۶۸ صفحہ چکنا ۶ کھرہ ۴

بیاض نوحہ جات نجم آفندی صاحب

اشارات غم حصہ اول و دوم ۱۲ حصہ سوم ۸ آیات ماتم ۱۲ تصورات غم ۸ فتح مبین مرثیہ ۸

نور العین ترجمہ ابصار العین فی انصار الحسینؑ امام حسینؑ اور شہدائے کربلا کے حالات میں ایک بسوط اور معتبر کتاب۔ ہر ایک شہید کے علیحدہ علیحدہ حالات درج ہیں شہداء کے حالات میں اس سے بہتر کتاب آجتک شائع نہیں ہوئی ۲۲۴ صفحہ کاغذ چکنا ۱۲ کھرہ ۱۲

جذبات عقیدت

محترمہ روپ کنواری صاحبہ کا مشہور قصیدہ در شان حضرت امیر علیہ السلام۔ قیمت چکنا کاغذ ۴

قصص العلماء حصہ اول

علمائے شیعہ کے حالات میں بہترین کتاب اس کتاب میں آغا سید ابراہیم سے شیخ بہائی تک کے حالات درج ہیں ۲۳۲ صفحہ ... کھرہ ۱۲ حصہ دوم زیر ترتیب طبع ہے معراج السعادت ترجمہ ... السعادت اخلاق شیعہ میں ایک بے مثل کتاب حصہ اول ۲۴۴ صفحہ کاغذ چکنا ۱۲ حصہ دوم ۱۶۰ صفحہ ۱۲ حصہ سوم زیر طبع

سالنامہ حیدری مع جنتری ۶۵ھ

زیر طبع ہے اوائل محرم میں طلب فرمائیے قیمت عہ صرف جنتری ۸ جملہ مطبوعات کی فہرست صرف ایک کارڈ بھیجکر مفت طلب کیجئے۔

مشتہران

محمد حسین برادران مالکان مطبع وکتب خانہ حیدری

چھتہ بازار حیدرآباد دکن

ا. بسرد مبرسے ۲۶۲

ماہِ محرم کیلئے

حمائل شریف مجلد ... عـ۱۰
قرآن مجید مترجمہ ... عـ۳۶
قرآن مجید بلا ترجمہ مجلد عـہ
وظائف الابرار کامل
مختار المسائل علمہ سرکار ... عکر
آقائے ابو الحسن صاحب ... مدظلہ
تحفۃ العوام

اعمال ماہ محرم

اعمال سورۂ والعصر اعمال ...
... اعمال کے لئے ...
تحفۃ احمدیہ جلد سوم ... عـ۶
ذخیرۂ مناقب ... عـہ
منتخب سورہ مترجم ۵/
دعائے مشلول ۲/
یٰسین ۲/
مکارم الاخلاق ۳/
سوانحمری خاتم الانبیاء عـہ/
سیدۂ طاہرہ ۱۲/
حضرت علی ع عـہ/
حضرت امام حسن ۱۰/
حضرت امام حسین عـہ
حالات حضرت حمزہ ۱۴/
سوانحمری ابو طالب عـہ/
کارنامۂ حضرت سہید ثالث ۸/
سوانحمری حضرت مسلم بن علی ۲/
سوانحمری حضرت عثمان بن علی ۴/
اسوۃ الرسول جلد سوم عـہ
اسوۃ الرسول جلد چہارم
حیات القلوب ...
الماس ...
تکمیل ... للعہ
محاربہ حق و باطل ... ۴/

نوحہ کی بیاضیں

اشارات غم حصہ اول دوم ... عـہ
اشارات غم حصہ سوم ۹/
آیات ماتم ۱۲/
تصورات غم ۹/
موج فرات ... عـہ
موج فرات ... عـہ
حیات ماتم ۹/
کائنات غم ... عـہ/
چراغ معرفت ۱۲/
فریاد ... ۸/
جذبات ... ۱۴/
زاری ۳
گریہ ... ۳/
آنسو ۴/
حقائق غم ...
قندیل فرات ...
شہید کربلا ... ۴/
افسانہ ... ۸/
... ۵
شاہکار ... ۵
... طباعت ... ہندوستان ...

خمخانۂ خلد ... رشید ... عـہ
نظم نفیس ... عـہ
فتح مبین ... ۸/
مرثیہ جناب زائر سیتاپوری ... ۸/
... ۸/
شہدائے وفا ... ۴/
خورشید خاوری ... عـہ
عروج ... للعہ
رباعیات انیس ... ۸/
سوز خوانی کے مرثیے ۲۵ قسم کے فی عدد ۱/

حدیث خوانی کی کتب

مقتل البیان حصہ سوم عـ۶/
ریاض المجالس عـہ/
محافل و مجالس چہاردہ معصومین عـہ

دینیات کی پہلی کتاب ... ۳/
دینیات کی دوسری کتاب ۸/
دینیات کی تیسری کتاب ۱۲/
شیعہ بچوں کی نماز ۲/
اصول دین ... ۵/
رسالہ نماز ... ۲/

البلاغ المبین ... دوم
...
... (مجالس ...)

حسینی دنیا ...
...
(۲۹۴) ... عـ۶/
فلسفۂ مذہب شیعہ ۹/
...
بیان ... ۳/
سوانحمری حضرت علی اکبر ۱۲/
آثار علمیہ علویہ ... ۳/
تاریخ الاسماء ... عـہ
چشمۂ نور ...
... ۹/
روضۃ الکرام تاریخ الکرام عـ۶/
... منظوم ... ۸/
...
... ۸/

نظامی پریس لکھنؤ

ملنے کا پتہ

نظامی جنتری ...
سنہ ۱۹۲۶ ...
... ۸
... ۸